پرانے قصّے کہانیاں، جدید اندازِ تحریر

نصیحت آموز کہانیاں

عبدالصّمد مُظفّر

70

نصیحت آموز کہانیاں

عبدالصمد مظفر

رابعہ بک ہاؤس
الکریم مارکیٹ اردو بازار، لاہور، پاکستان

اس کتاب کے کسی بھی حصے کی فوٹو کاپی، سکیننگ یا کسی اور طریقہ سے کسی بھی قسم کی اشاعت رابعہ بک ہاؤس کی تحریری اجازت کے بغیر نہیں کی جاسکتی۔

قانونی مشیر: عبدالواحد چوہدری (ایڈووکیٹ سپریم کورٹ)

A Trustworthy Name for Quality Books

Rabia Research Centre

6-C Tape Road, Lahore-Pakistan. Ph: +92 42 3722 0073
Email: info@rabiabooks.com www.rabiabooks.com

Show Room - Al-Karim Market, Urdu Bazar,
Lahore-Pakistan. Ph: +92 42 37123 555

ہماری مطبوعات کے بارے میں مزید معلومات کے لئے
www.rabiabooks.com سے استفادہ کیا جاسکتا ہے۔
مطبوعات میں بہتری کے لئے یا شکایات کی صورت میں
info@rabiabooks.com

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

ناشر ــــــ نویدا ے شیخ

ادارہ ــــــ رابعہ بک ہاؤس، لاہور

تعداد ــــــ ایک ہزار

سرورق ــــــ آر. بی. ایچ آرٹ سیکشن، لاہور

طابع ــــــ ندیم یونس پرنٹرز، لاہور

قیمت 200 روپے

آفس: رابعہ ریسرچ اینڈ ڈویلپمنٹ سنٹر 6-C، ٹیپ روڈ، لاہور۔

شو رُوم: الکریم مارکیٹ، اُردو بازار، لاہور- پاکستان۔

تقسیم کنندہ:

لاہور: 1- کچہری روڈ، انارکلی۔فون: +92-42-37355528

کراچی: اُردو بازار، نزد ریڈیو پاکستان۔فون: +92-21-32212991

راولپنڈی: اقبال روڈ، نزد کمیٹی چوک۔فون: +92-51-5539609

حیدرآباد: 5-یوسف چیمبرز، اسٹیشن روڈ۔فون: +92-22-3780128

بہاولپور: شہزاد چوک۔فون: +92-62-288502

فہرست

کامیابی کیسے ملی؟	5
مانو بلی کی شکست	9
ناکام چال	12
عقل مندی کام نہ آئی	16
خوشامد لے ڈوبی	21
تین خواہشیں	25
نرم اور ملائم پر	29
نقلی خوب صورتی	33
پھر چور پکڑا گیا	38
جعلی رعب	44
جھوٹ سے بچو!	49
چھوٹی نیکی	52
سکون کیسے ملتا؟	55
اصل خوب صورتی	59
کڑاہی ٹوٹتی رہی!	62
کوا چلا عقاب کی چال	67
نیک نیتی	70
کیا یہی انصاف ہے؟	75
عقل مند کون؟	79
لاتوں کے بھوت	82
دوستی میں بھلائی	85
حیرت ناک انجام	89
شرارت کا انجام	92
طاقت نہیں ترکیب	96
برائی سے بچو	99
دعا قبول ہوگئی	102
تکبر کا انجام	107
بھلائی کی تبدیلی	111
فیٹو گیا پھنس	116
گدھا بنا شیر	119
مغروری سے بچو!	121
تحفے کا نام نہ لو	125
ایمانداری کا انعام	129
فریگو کی بہادری	134
بادشاہ کی خواہش	136
بکرا چڑھا پہاڑ پر	140
پیار نہیں مار	144
ناشکری سے بچو!	149
جھوٹے دوست	154
مفید تحفہ	158
دوستی میں سلامتی تھی	162
سمجھدار ریچھ	168
جھوٹی تعریف	171
احمق جیکی	173
چوری کی سزا	176
طاقت ور کون؟	186
چالاک کچھوا	191
بیوقوفی	196

دیباچہ

تہذیب و روایت ہر معاشرے کی آئینہ دار ہوتی ہیں۔ جس کی اہمیت ہر دور اور ہر موقع پر محسوس کی جاتی ہے۔ گزرے وقتوں میں بزرگ یا اُستاد شام کے وقت یا سونے سے پہلے بچوں کو ایسی دلچسپ اور نصیحت آموز کہانیاں سنایا کرتے تھے۔ جن کو سن کر نئی نسل میں کامیابی اور آپس میں بہتر حسنِ سلوک سے رہنے کا جذبہ بیدار رہتا تھا۔ اس تہذیب و روایت کو داستان گوئی کا نام دیا جاتا ہے۔

آج کے جدید دور میں سائنس کی نت نئی ایجادات اور بے پناہ ترقی کے باعث تہذیب و روایت کی امین داستان گوئی قصۂ پارینہ بنتی جا رہی ہے۔ مختلف وجوہات کی بناء پر نئی نسل بوریت کا شکار نظر آتی ہے۔ اس میں کتاب بینی اور مل بیٹھنے کا شوق بھی ختم ہو رہا ہے۔ اس ضرورت اور تہذیب و روایت کو سلامت رکھنے کے لئے ''نصیحت آموز کہانیاں'' کی صورت میں ہر عمر کے بچوں کے لئے کہانیاں لکھی گئی ہیں۔ جن کا موضوع پُرانا لیکن انداز جدید ہے۔

اُمید کی جاتی ہے کہ ادارے کی اس کاوش کو بھی قارئین کی جانب سے حسبِ سابق پذیرائی ملے گی اور ادارہ یہ بھی اُمید کرتا ہے کہ نئی نسل کو اپنی تہذیب و روایت سے آشنائی کے لئے ''نصیحت آموز کہانیاں'' کی صورت میں اعلیٰ اَدب اور بہترین ماحول فراہم ہوگا تاکہ نئی نسل اپنے آباؤ اجداد کے داستان گوئی والے پہلو کو دورِ حاضر میں بھی زندہ رکھ سکے۔

ادارہ

کامیابی کیسے ملی؟

جنگل میں آج پھر خرگوش میاں نے اپنی تیز رفتاری کی خُوب تعریف کی۔ تمام جانور خاموشی سے خرگوش میاں کی باتیں سُن کر تائید کر رہے تھے۔ خرگوش فخر سے گردن اکڑائے اپنی تیز رفتاری کے قصے سُنا رہا تھا۔ اتنی دیر میں کچھوا بھی وہاں پہنچ گیا اور خرگوش کی باتیں سُن کر بولا: ”خرگوش بھائی! میں اور یہ تمام جانور تمہاری تیز رفتار چال کو مانتے ہیں۔ مگر تم کو یاد ہو گا کہ کس طرح میرے بڑوں نے تمہارے بڑوں کو اپنی ہمت اور عقل مندی سے ہرا دیا تھا۔ تمہارے بزرگ کو بھی اپنی تیز رفتاری پر بہت غرور تھا۔ مگر میرے بزرگ کچھوے نے اُن کو ہرا کر مقابلہ جیت لیا تھا۔“

خرگوش نے کچھوے کی بات سنی اور خُوب ہنسا۔ تمام جانور اس دلچسپ صورتِ حال کو بڑے مزے سے دیکھ رہے تھے۔ خرگوش بولا: ”ارے او سُستی کی مثال! میرے بڑے تمہارے بڑوں سے ہارے نہیں تھے بلکہ وہ تو سازش کا شکار ہو گئے تھے۔ اُن کو مقابلے سے پہلے نشہ آور گاجر کھلادی گئی تھی، جس کا اثر آدھے سفر میں ہوا اور وہ وہیں غنودگی میں چلے گئے۔ مگر میں اپنے بڑوں کی شکست کا ضرور بدلہ لوں گا۔ اگر تم میں ہمت ہے تو چلو میرے ساتھ

مقابلہ کرلو۔" کچھوے نے مقابلے کی دعوت قبول کرتے ہوئے تمام جانوروں سے کہا: "تم سب گواہ رہنا کہ میں نے خرگوش میاں کو کوئی ایسی چیز نہیں کھلائی جس کی وجہ سے یہ غنودگی کا شکار ہو جائے۔ مجھے خود پر مکمل اعتماد ہے کہ میں بھی اپنے بڑوں کی طرح آج خرگوش کو ہرا دوں گا۔"

خرگوش نے کچھوے کی بات سُن کر خُوب زور سے قہقہہ لگایا اور بولا: "کچھوے جی! تم خود آج کی دوڑ کا فاصلہ طے کرلو۔ میں تم کو ہر صورت شکست دینا چاہتا ہوں۔ آج تم مان جاؤ گے کہ میں سب سے تیز رفتار جانور ہوں اور تم کبھی بھی میرا مقابلہ نہیں کر سکتے۔" کچھوے نے آنکھیں گھماتے ہوئے کہا: "میں مانتا ہوں کہ میں سب سے سُست رفتار جانور ہوں مگر ایسا نہیں کہ میں تمہارے چیلنج کو قبول نہ کروں۔ یہ نہیں ہوسکتا۔" خرگوش نے کچھوے کی بات پر ایک بار پھر زوردار قہقہہ لگایا۔ کچھوے نے کہا: "اچھا تو پھر تم میرے ساتھ وہ سامنے کھجور والی پہاڑی تک دوڑ لگا لو۔" خرگوش نے کہا: "ٹھیک ہے، مجھے تمہاری بات قبول ہے۔" خرگوش نے ریچھ کو جج بنایا اور لومڑی کو مقابلے کا ریفری مقرر کر کے جنگل کے تمام جانوروں کو اکٹھا کر دیا۔ خرگوش کو اپنی کامیابی کا مکمل یقین تھا۔ اس لیے اُس نے تمام جانوروں سے کہا: "آج میں اپنے بزرگوں کی شکست کو فتح میں بدلنے لگا ہوں۔ اس بے وقوف کچھوے کو تم لوگ ہی سمجھاؤ کہ اب بھی مقابلے سے انکار کر دے۔" چند جانوروں نے کچھوے کو بہت سمجھایا کہ پہلے مقابلے کے وقت اور زمانہ تھا۔ اب زمانہ بہت بدل چکا ہے۔ تم خرگوش کو نہیں ہرا سکتے۔ مگر کچھوے کو خود پر اعتماد تھا۔ کیوں کہ کچھوا نہایت شریف اور اچھا جانور تھا۔ جبکہ خرگوش نہایت شرارتی تھا اور دوسرے جانوروں کو تنگ کرتا رہتا تھا۔

بی لومڑی نے ہاتھ میں پکڑی چھڑی کو فضا میں بلند کیا اور ''ون ،ٹو، تھری' گو'' کہا تو خرگوش میاں لمبی چھلانگیں لگاتے ہوئے بہت دور چلا گیا۔ جبکہ کچھوا بڑی ہمت اور مناسب رفتار سے اپنی منزل کی طرف چل رہا تھا۔ تمام جانور کچھوے کی سُست رفتاری کو دیکھ کر ہنس رہے تھے۔ خرگوش چھلانگیں لگاتے ہوئے چند منٹوں میں آدھا سفر طے کر چکا تھا۔ اُس نے جب پیچھے مُڑ کر دیکھا تو اُسے کچھوا کہیں دُور دُور تک نظر نہ آیا۔ خرگوش نے سوچا کہ کچھوا، کہیں راستے میں رُک گیا ہوگا یا پھر آرام، آرام سے چل رہا ہوگا۔ اس بات کی اُمید ہے کہ کچھوا مجھ تک نہیں پہنچ پائے گا۔ خرگوش نے تھکاوٹ محسوس کرتے ہوئے ایک لمبی سانس لے کر انگڑائی لی اور برگد کے درخت کے سائے میں جا کر سبز گھاس کے اوپر لیٹ گیا۔ خرگوش کو لیٹے ابھی چند لمحے گزرے تھے کہ اُسے نیند آ گئی اور وہ مزے سے سو گیا۔

کچھوا ہَولے ہَولے چلتا ہوا اپنی منزل کی طرف رواں تھا۔ کچھوا پورے جوش و خروش اور اعتماد سے پہاڑی پر چڑھ رہا تھا۔ مسلسل چلنے کی وجہ سے وہ بہت تھک چکا تھا مگر اپنے بڑوں کے اعزاز کو برقرار رکھنے کے لیے وہ مسلسل چلتا جا رہا تھا۔ ابھی وہ برگد کے درخت کے پاس پہنچا ہی تھا کہ اُسے خراٹوں کی آواز سنائی دی۔ اُس نے جب خرگوش کو برگد کے سائے تلے سوئے دیکھا تو اپنی ساری تھکاوٹ کو بُھول کر اپنی پوری طاقت سے کھجور والی پہاڑی پر چڑھنے لگا۔ وہ جلد از جلد اپنی منزل تک پہنچنا چاہتا تھا کیوں کہ قدرت نے ایک بار پھر اُسے بہت اچھا موقع دے دیا تھا۔

کچھ دیر بعد جب خرگوش کی آنکھ کھُلی تو شام ہونے والی تھی۔ اُس نے سڑک پر آ کر پیچھے کی طرف دیکھا مگر اُسے کہیں بھی کچھوا نظر نہیں آیا۔ خرگوش بہت خوش ہوا کہ وہ اس بار ضرور جیت جائے گا۔ کچھوا ابھی کہیں راستے میں تھک ہار کر سو گیا ہو گا۔ خرگوش نے پھر لمبی چھلانگیں لگائیں اور کھجور والی پہاڑی کی طرف دوڑنے لگا مگر وہ جب پہاڑی پر پہنچا تو صدمے سے بے ہوش ہوتے ہوتے بچا۔ کیوں کہ سامنے کھجور کے نیچے کچھوا اپنی جیت کی خوشی میں تالیاں بجا رہا تھا۔ کچھوے نے اپنی جیت کی خوشی میں خُوب خوشیاں منائیں۔ ریچھ نے بی لومڑی کے فیصلے کے بعد کچھوے کو ٹرافی اور ڈھیروں انعامات دیئے۔ تمام جانوروں نے کچھوے کی ہمت اور جذبے کی خُوب داد دی۔ جبکہ خرگوش بیچارا اپنی شکست پر سخت نادم تھا۔ اُسے آج بہت اچھا موقع ملا تھا کہ اپنے بزرگوں کی شکست کا بدلہ لے لیتا مگر آج وہ بھی اپنے بزرگوں کی طرح نیند کے لالچ میں مقابلہ ہار چکا تھا اور کچھوا اپنی ہمت اور جذبے سے کامیاب رہا۔

اچھے بچو!

ہمیشہ کامیابی اُس کی ہوتی ہے جو ہمت، جذبے اور محنت سے اپنی منزل کی طرف بڑھتا رہتا ہے۔

✪ ✪ ✪

مانو بلی کی شکست

ایک گھر میں بہت سے چوہے آ کر رہنے لگے۔ جنہوں نے گھر کی دیواروں اور کونوں میں چھوٹے بڑے بل بنا لئے اور بہت مزے سے وہاں رہنے لگے۔ جب اُن کو رہتے ہوئے کافی دن ہو گئے اور وہ خود کو وہاں کافی محفوظ اور پُرسکون محسوس کرنے لگے تو اُنھوں نے اپنے دوسرے دوستوں اور رشتے داروں کو بھی اپنے پاس بلا لیا۔ اب تو وہ گھر ایک مکمل ''چوہا کالونی'' بن چکا تھا' جہاں پر ہر طرح کے چوہے دندناتے پھرتے تھے۔ گھر کا مالک بہت سُست انسان تھا۔ اُس نے ان چوہوں کے آنے سے کوئی پریشانی محسوس نہ کی۔ وہ صبح اپنے کام پر جاتا اور رات کو واپس آ کر کھانا کھاتا اور سو جاتا تھا۔ اُس کا کہنا تھا کہ میں تو سارا دن کام کرتا رہتا ہوں۔ گھر تو صرف رات سونے کے لئے آنا ہوتا ہے۔ اس لئے چوہے بھی خوب موج مستی کر لیں۔ میرا کیا بگڑتا ہے؟

آخر ایک دن ایک موٹی سی بلی چوہوں کی کالونی میں آ گئی اور آتے ہی اُس نے پہلے دن میں کئی چوہے شکار کر لئے۔ بی مانو کو تو اس گھر میں آ کر مفت کے چوہے مل گئے تھے۔ اس لئے اُس نے یہاں رہنے کا ارادہ کر لیا اور روزانہ کئی چوہے شکار کرنے شروع کر دیئے۔ جس

سے چوہوں کی تعداد چند دنوں میں بہت کم ہوگئی۔ اب تمام چوہے ڈر کے مارے ہر وقت اپنے بِلوں میں چُھپ کر بیٹھے رہتے تھے۔ اُن کو بی مانو کے آجانے سے جان جانے کا ڈر لگ گیا تھا۔ اگر کبھی اُن کو کہیں جانا بھی پڑتا تو اِدھر اُدھر اچھی طرح دیکھ کر اور ہوشیاری سے جاتے تھے۔ اس لیے اب بلی مانو کو چوہے پکڑنے کا بہت کم موقع ملتا تھا۔

بلی مانو خود بہت عقلمند بلی تھی۔ اُس کو عقلمندی کی وجہ سے ہی تو ''بی مانو'' کہتے تھے۔ جب کافی دن چوہے شکار نہ ہوئے تو اُس کو دودھ اور روٹی میں وہ لذت نہیں ملتی تھی۔ اس لئے وہ اکثر بھوکی رہنے لگی تھی۔ جب کافی دن بھوکا رہ کر بہت کمزور ہوگئی تو اُس نے سوچا: ''اگر یہی حال رہا تو میں بہت جلد مر جاؤں گی کیونکہ دودھ اور روٹی سے پیٹ نہیں بھرتا۔''

آخر بی مانو نے ایک ترکیب سوچی اور کہا: ''اب دیکھوں گی کہ چوہے مجھ سے کیسے بچیں گے؟'' بی مانو نے اپنی سوچی سمجھی ترکیب پر عمل کرتے ہوئے آٹے کا برتن اُلٹ دیا اور آٹے میں خوب لوٹ پوٹ ہوکر سارا آٹا اپنے جسم پر لگالیا۔ جب سارا جسم آٹے سے بھر گیا تو وہ چپکے سے اُٹھی اور چوہوں کے بِلوں کے پاس جاکر خاموشی سے چھپ کر بیٹھ گئی۔ جب چوہوں کو کافی دیر تک بلی کی آواز نہ آئی تو اُنھوں نے سوچا کہ بی مانو بھوک سے تنگ آکر کہیں اور چلی گئی ہے اور اب سارا گھر اُن کا اپنا ہے۔ وہ جہاں چاہے جاسکتے ہیں۔ یہ سوچ کر اُنھوں نے اپنے بِلوں سے باہر آکر خوب بھنگڑے ڈالے اور خوشی منائی۔

بی مانو خاموشی سے چوہوں کی تمام حرکتیں دیکھ رہی تھی۔ جب اکثر چوہے بھنگڑا ڈالتے

ادھر اُدھر جانے لگے اور بی مانو کو آٹے کا ڈھیر سمجھ کر اُس کے قریب آئے تو اُس نے جھپٹ کر تین چار چوہے پکڑ لئے اور خوب مزے سے اُن کو کھالیا۔

بی مانو اپنی کامیابی پر بہت خوش ہوئی اور اُس نے سوچا کہ یہ ترکیب سب سے اچھی ہے۔ اب میں روزانہ اسی ترکیب سے چوہے پکڑوں گی اور خوب مزے سے ہڑپ کر جاؤں گی۔

اگلے دن بلی دوبارہ آٹے میں لوٹ پوٹ ہوگئی اور ایک کونے میں خاموشی سے جا کر بیٹھ گئی۔ وہ چوہوں کے باہر آنے کا انتظار کرنے لگی۔ جب بی مانو کو وہاں بیٹھے کافی وقت ہوگیا تو وہ اُٹھ کر دوسرے کونے میں بیٹھ گی۔ مگر اب بھی کوئی چوہا اپنے بل سے باہر نہ آیا' اسی طرح شام ہوگئی۔ بی مانو کو سخت بھوک لگ رہی تھی۔

آخر شام کے بعد ایک بوڑھا چوہا بل سے باہر نکلا اور اونچی آواز میں بولا: ''بی مانو! اب تم آٹے کا اصلی ڈھیر بن بھی جاؤ تو ہم تمہارے پاس نہیں آئیں گے۔ کیونکہ دھوکا ایک بار کھایا جاتا ہے' بار بار نہیں''۔ بلّی نے بوڑھے چوہے کی بات سنی تو شرمندہ ہو کر اُٹھ بیٹھی اور باورچی خانے میں پڑے دودھ سے بھوک مٹانے کے لئے چلی گئی۔ کیونکہ اس کی چالاکی کا بھانڈا پھوٹ چکا تھا۔ اسے پتا چل گیا تھا کہ اب چوہے اس کی پکڑ میں نہیں آئیں گے۔

اچھے بچو!

کوئی کسی کو بار بار بے وقوف نہیں بنا سکتا۔

✪ ✪ ✪

ناکام چال

سورج چمکتے چمکتے سر پر آچکا تھا۔ آدھا دن گزرنے کو تھا۔ بے چارہ گیدڑ شدید بھوک سے بے زار ہو کر کبھی ادھر جاتا اور کبھی اُدھر جاتا تھا۔ مگر ابھی تک اُسے کوئی شکار نہیں ملا تھا۔ گیدڑ کبھی دریا کے کنارے چلا جاتا اور وہاں اپنا شکار ڈھونڈتا رہا مگر آج کا دن اُس کے لیے کچھ اچھا نہیں تھا۔ جوں جوں دن گزر رہا تھا' گیدڑ بھوک سے نڈھال ہو کر بے ہوش ہونے کے قریب ہو رہا تھا۔ گیدڑ شکار کی تلاش میں ایک ٹیلے کے پیچھے گیا۔ جہاں جھاڑیاں اُگی ہوئی تھیں۔ مگر جیسے ہی گھاٹی اُترا تھا کہ بے دھیانی سے اس کا پچھلا پاؤں کسی شکاری کے پھندے میں پھنسنے لگا۔ مگر گیدڑ خطرے کو محسوس کرتے ہوئے فوراً اُچھلا اور ایک طرف ہو گیا۔ گیدڑ کا پاؤں تو پھندے میں پھنسنے سے بچ گیا مگر پھندے نے ''کھٹاک'' کی آواز سے بند ہو کر اُس کی دُم کاٹ دی۔ گیدڑ اپنی بھوک بھول کر اس فکر میں پڑ گیا کہ واپس اپنے دوستوں کے سامنے دُم کے بغیر کیسے جائے گا؟ سب گیدڑ اُس کو ''دُم کٹا، دُم کٹا'' کہہ کر تنگ کریں گے اور اُس کا خوب مذاق اُڑائیں گے۔ بھوک سے گیدڑ کا بُرا حال تھا مگر اب اُسے اپنی دُم کی فکر پڑ

گئی تھی۔ گیدڑ جھاڑیوں سے باہر نکل کر ایک طرف جا کر بیٹھ گیا اور سوچنے لگا: ''جب اُس کے دوست دُم کٹنے کا پوچھیں گے تو اُن کو کیا جواب دے گا؟ ہائے اللہ، اب کیا ہوگا؟ میرے ساتھ یہ کیا ہوگیا؟ دُم پھندے میں پھنسنے کی بجائے اُس کا پاؤں یا ہاتھ پھنس جاتا تو بہتر تھا۔ کم از کم کچھ تو عزت رہ جاتی۔ اب دُم کے بغیر اُس کی کیا عزت ہوگی؟

گیدڑ افسردہ ہوکر اُٹھا اور سامنے ایک درخت کے نیچے جا کر بیٹھ گیا۔ گیدڑ سخت پریشان تھا۔ وہ سوچنے لگا کہ کس طرح وہ اپنے ساتھیوں کو چکر دے کہ تمام گیدڑ بھی اپنی دُمیں کٹوالیں۔ تاکہ وہ اکیلا دُم کٹا نہ رہے۔ اچانک اُس کے ذہن میں ایک خیال آیا۔ جس کو سوچ کر گیدڑ کے چہرے پر مسکراہٹ پھیل گئی اور وہ دوڑتا ہوا اپنے ساتھیوں کے پاس چلا گیا۔ جب وہ اپنے ساتھیوں سے ذرا دور رہ گیا تو ایک اُونچے ٹیلے پر چڑھ کر اونچی آواز میں بولا: ''میرے دوستو! میری بات سنو، آؤ میری طرف آجاؤ۔ میں تم سب کو ایک بہت اچھی بات بتانے والا ہوں''۔

گیدڑ کے تمام ساتھیوں نے اُس کی آواز سُنی تو فوراً اُس کے پاس آگئے۔ تمام گیدڑ دُم کٹے گیدڑ کے اردگرد جمع ہوگئے۔ اُنھوں نے جب گیدڑ کی دُم کٹی ہوئی دیکھی تو ہنسنے لگے۔ کیا بڑا گیدڑ اور کیا چھوٹا گیدڑ سب اُس کی کٹی دُم دیکھ کر ہا.... ہا.... ہا کر کے ہنس رہے تھے۔ گیدڑ نے اپنی پریشانی کو ختم کرتے ہوئے کہا: ''اے میرے ساتھیو! تم سب میری کٹی دُم دیکھ کر ہنس

رہے ہونا؟ میں نے اپنی دُم خود کٹوائی ہے۔ کیوں کہ دُم کے بغیر گیدڑ زیادہ خوب صورت لگتا ہے۔ دُم بہت بے کار چیز ہے۔ اس کا ہم ایسے ہی بوجھ اُٹھائے پھرتے ہیں۔ اس بوجھ کو اُٹھانا ہماری مجبوری ہے۔ اگر کسی شکار کے پیچھے بھاگنا پڑ جائے تو یہ دُم ہمارے لیے رکاوٹ بن جاتی ہے۔ ذرا تم خود کسی انسان کو دیکھنا۔ وہ کتنا خوب صورت اور عقل مند ہوتا ہے۔ وہ دُم کے بغیر کتنا خوب صورت لگتا ہے۔ انسان کی خوب صورتی صرف اس لیے ہے کہ وہ دُم کے بغیر ہوتا ہے۔ میری مانو تو تم بھی میری طرح اپنی دُم کٹوالو۔ اس طرح تم بھی انسان اور میری طرح خوب صورت بن جاؤ گے''۔

تمام گیدڑ اُس کی باتیں غور سے سُن رہے تھے۔ کئی بے وقوف گیدڑ تو اُس کی باتوں میں آ گئے اور کہنے لگے: ''تم بالکل ٹھیک کہتے ہو۔ دراصل دُم کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔ اُلٹا خطرے کے وقت ہمیں اپنی دُم دبا کر بھاگنا پڑتا ہے۔ اس سے بہتر ہے کہ ہم اپنی دُم کٹوالیں۔ ہم دُم کٹوا کر بہت خوب صورت نظر آئیں گے''۔ اس سے پہلے کہ یہ بے وقوف گیدڑ دُم کٹے گیدڑ کی باتیں مان کر اپنی دُم کٹوانے جاتے ایک بہت سیانا گیدڑ بولا: ''ارے بیوقوفو! میں اس دُم کٹے کی چال سمجھ چکا ہوں، اس کم بخت اور عقل کے اندھے نے تم کو اپنی چال میں پھنسالیا ہے۔ اس کی باتوں میں مت آنا۔ اس نے اپنی دُم خود نہیں کٹوائی بلکہ یہ کسی پھندے یا جال میں پھنس کر کٹی ہے۔ اب یہ ہماری دُموں کا اس لیے دُشمن بن گیا کہ ہم اس کی دُم کٹنے پر اس کا

مذاق نہ اُڑائیں۔ یاد رکھو یہ اس کی بہت بڑی چال ہے۔ اللہ کریم نے کسی جاندار کی کوئی بھی چیز فالتو نہیں بنائی ہے۔ بلکہ اس کائنات کی کوئی بھی چیز فالتو نہیں ہے۔ جس کو جو ملا ہے وہ اللہ کریم کی رضا سے ملا ہے۔''

دُم کٹا گیدڑ اس صورت حال سے سخت گھبرا گیا اور سمجھ گیا کہ اُس کی چال ناکام ہوگئی ہے۔ اس سے پہلے کہ تمام گیدڑ اکٹھے ہوکر اُس کی پٹائی کرتے وہ فوراً وہاں سے بھاگ گیا اور تمام گیدڑ اپنے اپنے گھروں کو واپس لوٹ گئے۔

اچھے بچو!

کبھی بھی کسی کی باتوں میں نہیں آنا چاہیے۔ ہمیشہ سمجھداری سے اپنا کام کرنا چاہیئے۔

✪ ✪ ✪

عقل مندی کام نہ آئی

یہ بہت پہلے کی نہیں بلکہ موجودہ دور کی بات ہے۔ حالانکہ آج کل تیز رفتاری اور ترقی کا زمانہ ہے مگر اس گہما گہمی کے دور میں بھی گدھا گاڑی لوگوں کی پسندیدہ سواری ہے۔ کھیوڑہ کے ایک گاؤں میں نمک کا تاجر رہتا تھا۔ جس کا نام گلزار تھا۔ گلزار بہت ایمان دار اور محنتی انسان تھا۔ بارش، آندھی، تیز دھوپ غرض کوئی بھی موسم ہوتا مگر وہ اپنے کام میں مصروف رہتا۔ گلزار نے اپنے کاروبار کو بڑھانے کے لیے ایک گدھا پالا ہوا تھا۔ جس پر وہ نمک لاد کر دوسرے علاقے میں فروخت کرتا تھا۔ کھیوڑہ چونکہ پہاڑی علاقہ ہے اور یہاں پر اُترائی اور چڑھائی کے لیے کسی جدید گاڑی کا استعمال ممکن نہیں تھا۔ اس کام کے لیے گدھا بہترین سواری ہے۔ گلزار اپنے گدھے کا بہت خیال رکھتا تھا۔ وقت پر چارہ کھلاتا اور اُس کو نہلاتا تھا مگر اس کی ایک بہت بُری عادت تھی۔ وہ یہ کہ گلزار گدھے پر بہت زیادہ وزن لادتا تھا۔ وہ چاہتا تھا بار بار چکر نہ لگانا پڑے۔ جتنا زیادہ نمک وہ دوسرے علاقے میں فروخت کرآتا اُس کو اُتنا زیادہ نفع ہوتا تھا۔ گدھا اس بے رحمی پر بہت ناراض تھا۔ زیادہ بوجھ کی وجہ سے اُس کو چلنے اور کسی اُونچی جگہ پر چڑھنے اور ڈھلوان سے اترنے میں بہت مشکل پیش آتی تھی۔ اس دوران میں وہ کئی بار

گر بھی چکا تھا، جس کی وجہ سے اُس کو اکثر چوٹ لگ جاتی تھی۔ گدھا بے چارا خاموشی سے سر جھکائے گلزار کا ہر حکم ماننے پر مجبور تھا۔ اگر کسی دن گدھا وزن اُٹھانے یا سفر نہ کرنے پر تیار ہوتا تو گلزار اُس کی خوب پٹائی کرتا تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ جس طرح وہ محنت سے کام کرتا ہے۔ اس طرح اُس کا گدھا بھی کرے۔ سُستی اور کاہلی سے اُسے شدید نفرت تھی۔

ایک دن گلزار کو ذرا دور علاقہ میں نمک پہنچانے کا پیغام ملا۔ سفر بہت لمبا تھا اور راستے میں ایک دریا بھی عبور کرنا پڑتا تھا۔ گلزار کو نمک کی اچھی قیمت اور آنے جانے کا خرچ بھی مل رہا تھا۔ اس لیے اُس نے نمک پہنچانے کا وعدہ کیا اور گدھے کو خوب کھلایا پلایا اور اُس کی ٹانگوں پر مالش بھی کی۔ گدھا اس خدمت پر بہت خوش ہوا مگر جب اُس کو پتہ چلا کہ اُس نے بہت لمبا سفر طے کرنا ہے تو اُس کی خوشی اُداسی میں بدل گئی۔ وہ مجبور تھا اس لیے اُسے جانا تو پڑنا تھا۔ خیر گلزار نے مطلوبہ نمک گدھے پر لادا اور اپنی منزل کی طرف چل پڑا۔ گدھا سر جھکائے آہستہ آہستہ چل رہا تھا۔ گلزار بھی اُسے زیادہ تیز چلنے پر مجبور نہیں کر رہا تھا۔ وہ آہستہ آہستہ چلتے ہوئے دریا کے پاس پہنچ گئے۔ گدھے نے جب دریا دیکھا تو بے ہوش ہوتے ہوتے بچا۔ اُس کو اپنا سر گھومتا محسوس ہوا۔ مگر اسے دریا کو عبور کرنا تھا۔ اس لیے گدھے نے آہستہ آہستہ دریا میں اُترنا شروع کیا۔ وہ ہر قدم سنبھل کر چل رہا تھا۔ گلزار بھی اُس کے پیچھے تیرتا ہوا آ رہا تھا۔ دریا کا ٹھنڈا پانی گدھے کے جسم کو سکون تو دے رہا تھا مگر یک دم گدھے کا توازن بگڑا اور وہ پانی میں گر گیا۔ وزن زیادہ ہونے کی وجہ سے وہ سنبھل نہ پایا گلزار نے گدھے کو گرتے دیکھا تو

فوراً اُس کے پاس پہنچا اور سہارا دے کر اُٹھانے لگا مگر گدھا دریا کے ٹھنڈے پانی میں سکون محسوس کر رہا تھا۔ اس لیے وہ جان بُوجھ کر پانی میں بیٹھا رہا۔ دریا کا پانی نمک کو گھول رہا تھا۔ جس سے نمک کی مقدار کم ہو رہی تھی۔ گلزار کو نمک کی فکر تھی۔ جبکہ گدھا پانی میں مزید بیٹھنا چاہتا تھا۔ جب نمک آدھے سے بھی کم ہو گیا تو گدھا ہمت کر کے پانی میں کھڑا ہو گیا۔ اس دوران گلزار نے گدھے کو اُٹھانے کا ہر طریقہ آزما لیا تھا مگر گدھا بوجھ کم کرنے کے چکر میں تھا۔

اب گدھے نے سفر دوبارہ شروع کیا تو وہ جلدی جلدی قدم بڑھاتا ہوا چل رہا تھا۔ جبکہ گلزار نمک گُھل جانے کی وجہ سے افسردہ تھا۔ آدھے سے زیادہ نمک پانی میں حل ہو چکا تھا۔ جب وہ نمک کے بیوپاری کے پاس پہنچا تو بہت غمگین تھا۔ بیوپاری نے نمک کم لانے اور یوں افسردہ ہونے کی وجہ پوچھی تو گلزار کی آنکھوں میں پانی آ گیا اور بولا: ”بھائی یہ قسمت کی بات ہے۔ میرا گدھا بہت جوان اور زیادہ وزن اُٹھانے والا تھا مگر دریا پار کرتے ہوئے اُس کا پاؤں پھسل گیا اور وہ پانی میں گر گیا۔ میں نے بہت کوشش کی کہ اس کو جلدی کھڑا کر لوں مگر تھکاوٹ اور پانی کی وجہ سے میں ناکام رہا اور آدھے سے زیادہ نمک دریا کے پانی میں حل ہو کر بہہ گیا۔ آپ مجھے اس وزن کے مطابق ہی رقم دیں۔ جو نمک پانی میں بہہ گیا ہے وہ میرے حصے میں آیا۔ آپ کو میں دو چار دنوں میں اور نمک لا دوں گا۔ بیوپاری نے نمک تولا اور رقم گلزار کو دے دی۔ گدھا اپنی عقل مندی پر بہت خوش ہوا اور آئندہ بھی یہی طریقہ اپنانے کا ارادہ کر لیا۔

گلزار کھیوڑہ واپس پہنچا تو اُسے نمک لانے کے کئی پیغامات ملے۔ اگلے دن اُس نے اپنا گدھا تیار کیا اور نمک پہنچانے کے لیے چل پڑا۔ اب گدھا دوبارہ ندی، تالاب یا دریا کی تلاش میں تھا۔ اُس نے چلتے ہوئے اِردگرد اپنی نظریں دوڑائیں تو کچھ فاصلے پر اُسے پانی کا تالاب نظر آ گیا۔ اب گدھا تالاب کی طرف بڑھے اور گلزار اُس کو سیدھی راہ چلنے کو کہے۔ اسی کشمکش میں گدھا تالاب کے قریب پہنچ گیا اور چھلانگ لگا کر تالاب میں بیٹھ گیا۔ گلزار نے اُسے پانی سے باہر آنے پر بہت مجبور کیا مگر گدھا تو نمک کم کرنے کا گُر جان چکا تھا۔ اُسے اپنی عقل مندی پر بہت فخر محسوس ہو رہا تھا۔ گدھے نے جب وزن کم ہوتا محسوس کیا تو پانی میں کھڑا ہو گیا گلزار نے نمک کم ہوا دیکھا تو بہت پچھتایا کہ اب نقصان ہی ہو گا۔ ایک ہفتہ یوں ہی گدھے نے پانی میں جا کر نمک کم کرنا شروع کر دیا۔ جس کی وجہ سے گلزار کو نفع کی بجائے اچھا خاصا نقصان ہونے لگا۔ آخر گلزار نے اپنے دوست کو گدھے کی پانی میں جانے کی عادت کو بتایا اور نمک کم ہونے کی وجہ بھی بتائی تو اُس کا دوست شاہد گدھے کی ساری سیاست سمجھ گیا اور گدھے کی عقل مندی کو خوب داد دی۔ آخر اُس نے گلزار کو مشورہ دیا کہ وہ نمک کی تجارت چھوڑ کر رُوئی کی تجارت شروع کر دے۔ اس سے گدھے پر بوجھ بھی کم پڑے گا۔ مگر شاہد نے گلزار کو کہا کہ وہ روئی کا ایک پھیرا لگا کر اُس کے پاس ضرور آئے۔

گلزار نے شاہد کے مشورے کو مان لیا اور نمک کی تجارت چھوڑ کر رُوئی کی تجارت شروع کر دی۔ گلزار نے رُوئی کے بیوپاری کو مال دینے کا کہا اور مطلوبہ وزن کی روئی گدھے پر لاد کر

چل پڑا۔ گدھا اس تبدیلی سے بہت خوش ہوا اور وہ خوشی خوشی چلنے لگا۔ حالانکہ روئی کا وزن بہت معمولی تھا اور گدھا اس وزن کو مزید کم کرنا چاہتا تھا۔ اس لیے جب اُس نے راستے میں ندی دیکھی تو اپنی عادت کے مطابق ندی میں اُتر گیا۔ اب گلزار نے گدھے کو پانی میں جانے سے نہیں روکا اور وہ ندی کے کنارے کھڑا رہا۔ گدھا ندی میں اُترا اور جیسے ہی وہ پانی میں چند لمحے رُکا تو اُس کو اپنی کمر ٹوٹتی محسوس ہوئی۔ کیوں کہ رُوئی نے ندی کا پانی چُوس لیا تھا اور اُس میں ندی کا پانی بھر چکا تھا' جس کی وجہ سے رُوئی کئی گنا وزنی ہوگئی تھی۔ اب گدھا اس نئی مصیبت سے بچنے کی تدبیر سوچنے لگا۔ وہ اپنی طاقت اکٹھی کر کے ندی میں کھڑا ہونے کی کوشش کرتا مگر وزن زیادہ ہونے کی وجہ سے وہ دوبارہ پانی میں گر جاتا۔

گلزار نے کچھ وقت گزرنے کے بعد خود پانی میں اُترنے کا فیصلہ کیا اور گدھے کو پانی سے نکالنے لگا مگر اب گدھا تو چلنے سے بھی قاصر تھا۔ گلزار نے نمک کے تھیلوں میں روئی بھری ہوئی تھی اور گدھا ان تھیلوں کو نمک سمجھا تھا اس لیے، وہ وزن کم کرنے کے چکر میں پانی میں اُتر گیا تھا۔ مگر اب وہ اپنی عقل مندی کو بُرا بھلا کہہ رہا تھا۔ اب گدھے نے آئندہ ایسی حرکت کرنے سے توبہ کر لی اور محنت سے گلزار کے کاروبار میں اپنا کردار ادا کرنے لگا۔

اچھے بچو!

کوئی بھی عادت اپنانے سے پہلے اُس کا نقصان بھی سوچ لینا چاہیے ورنہ زیادہ عقل مندی سے نقصان بھی اُٹھانا پڑ سکتا ہے۔

✪ ✪ ✪

خوشامد لے ڈوبی

پُھلر وان بہت خوبصورت گاؤں تھا' جہاں پر رہنے والے انسان تو انسان جانور بھی بہت نیک صفات والے تھے۔ پورا گاؤں قدرتی اجناس اور خوبصورت پرندوں کے لئے مشہور تھا۔ یہاں رہنے والے ایک دوسرے کا اتنا خیال رکھتے کہ کسی کو بھی ایک دوسرے سے خوف نہیں ہوتا تھا۔لہلہاتے ہوئے کھیتوں میں ہرے بھرے درخت بہت خوبصورت منظر پیش کرتے تھے۔ان درختوں کے درمیان ایک بہت پرانا درخت تھا' جو بظاہر بہت موٹے تنے والا تھا مگر یہ درخت اندر سے کھوکھلا ہو چکا تھا۔اس کے آس پاس اور بھی درخت تھے مگر چونکہ یہ درخت بہت پُرانا تھا اس لیے اس پر ایک اندھا گدھ رہتا تھا۔ جو درخت کے کھوکھلے تنے میں جا کر آرام کر لیتا تھا۔ اسی درخت کی شاخوں پر کئی اور پرندوں نے بھی گھونسلے بنائے ہوئے تھے۔جس کی وجہ سے یہ پُرانا درخت پرندوں کا الگ شہر نظر آتا تھا۔

چونکہ گدھ اندھا تھا اور وہ اپنی بھوک مٹانے کے لیے شکار نہیں کر سکتا تھا' اس لیے دوسرے پرندے اُس کے لیے روزانہ خوراک لے آتے تھے' جس کو کھا کر اندھا گدھ بھوک مٹا لیتا تھا۔تمام پرندے خدا ترسی کے طور پر اندھے گدھ کے لیے خوراک لے کر آتے تھے۔ کیوں

کہ وہ جانتے تھے کہ یہ اندھا گدھ معذور ہے اور اُس کی زندگی کے دن یونہی گزر رہے تھے۔

اندھا گدھ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ بوڑھا بھی ہو چکا تھا۔ اندھا گدھ پرندوں کی خوراک لانے کے بدلے اُن کے بچوں کا خیال رکھا کرتا تھا۔ تمام پرندے جب صبح سویرے اُٹھ کر خوراک کی تلاش میں اُڑ جاتے تو بوڑھا اندھا گدھ درخت کے کھوکھلے تنے سے باہر آ کر بیٹھ جاتا اور پرندوں کے بچوں کی حفاظت کرنے لگ جاتا تھا۔ حالانکہ وہ اندھا تھا مگر پھر بھی اُس کی محسوس کرنے کی حس اتنی تیز تھی کہ وہ کسی بھی اجنبی کی موجودگی کا فوراً اندازہ کر لیتا تھا۔

ایک دن ایک جنگلی بلی اس کھوکھلے درخت پر چڑھ گئی اور خاموشی سے دبے پاؤں پرندوں کے گھونسلوں کی طرف بڑھنے لگی۔ گھونسلوں میں بیٹھے پرندوں کے بچے جنگلی بلی کو دیکھ کے فوراً سہم گئے اور وہ خوف سے خوب چیخنے چلانے لگے۔ گدھ فوراً سمجھ گیا کہ پرندوں کے بچوں کو خطرہ ہے تو وہ فوراً چلایا: ''کون ہے؟ کس کو جُرأت ہوئی کہ وہ میری موجودگی کے باوجود ان معصوم بچوں کی طرف بڑھ رہا ہے؟'' شکاری بلی نے مکاری سے کہا: ''میں ہوں، بلی گدھ بھائی، میں آپ کی پرانی جاننے والی ہوں' آپ نے مجھے پہچانا؟'' گدھ بلی کی چالاکی کو فوراً سمجھ گیا اور مزید غصے سے بولا: ''تم جو کوئی بھی ہو' مگر اس وقت یہاں سے فوراً چلی جاؤ۔ میں تم کو پیار سے کہتا ہوں کہ تم فوراً یہاں سے چلی جاؤ۔ ورنہ میں تم کو زبردستی یہاں سے بھگا دوں گا۔ اس دوران تمہارا جو بھی نقصان ہوا میں اُس کا ذمہ دار نہیں ہوں گا۔'' بلی اندھے گدھ سے ڈر گئی۔ اُس کے پسینے چھوٹ گئے۔ کیوں کہ اُسے علم تھا یہ اندھا گدھ اگر غصے میں آ گیا تو بہت

خونخوار ہو جائے گا۔ اس لیے وہ پیار سے بولی: ''اے پیارے گدھ! میں ان معصوم بچوں کو کیوں نقصان پہنچاؤں گی۔ یہ بچے تو بہت پیارے اور معصوم ہیں' میں تو ان کی معصومیت دیکھ کر قدرت کا شکرادا کر رہی ہوں۔ اے پیارے گدھ! میں اپنے گھر سے سیر و تفریح کے لیے نکلی ہوئی ہوں۔ میں نے یہاں آتے ہوئے کئی مقدس جگہیں دیکھی ہیں' وہاں سے مجھے بہت ہی روحانی سکون ملا ہے۔ برائے مہربانی آپ بھی مجھے اپنی قدم بوسی کی اجازت دے دیں آپ واقعی بہت فرشتہ صفت اور رحمدل پرندہ ہو۔ آپ اس مطلب پرست دنیا میں بھی دوسروں کی بھلائی سوچتے ہو۔ میں اس بات کی گواہی دیتی ہوں کہ آپ واقعی فرشتہ صفت شخصیت ہیں۔''

بلی کے ان میٹھے جملوں اور مکاری نے اندھے گدھ کو اپنی طرف راغب کرلیا۔ کچھ دیر پہلے اندھا گدھ بلی کو جان سے مارنے پر تیار تھا' وہی اب نرم مزاجی سے بولا: ''اے پیاری بلی! تمہاری مہربانی کہ تم نے مجھے اتنی عزت دی۔ میں تو صرف اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کے لیے ان معصوم پرندوں کے بچوں کی رکھوالی کرتا ہوں۔ مگر میں تم کو پھر بھی سختی سے منع کرتا ہوں کہ اگر تمہارے دل میں ان معصوم بچوں کو نقصان پہنچانے کا ارادہ ہے تو اُسے ختم کر دو۔ خبردار! جو تم نے ان بچوں کو نقصان پہنچایا۔'' بلی نے گدھ کو یقین دلایا کہ وہ ایسا کرنے کا سوچ بھی نہیں سکتی کہ وہ پرندوں کے بچوں کو نقصان پہنچائے۔ یہ باتیں کرتے کرتے بلی ایک گھونسلے کے قریب گئی اور نہایت پُھرتی سے گھونسلے کی طرف بڑھی اور تیزی سے ایک بچے کو دبوچ لیا۔ بلی نے بچے کو اس انداز میں پکڑا کہ اُس بچے کی ذرا سی بھی آواز نہ نکلی۔ بلی نے اُس بچے کو اپنے منہ میں دبوچا اور چپکے سے درخت کے تنے کے قریب جا کر خوب مزے سے

کھانے لگی۔

اب بلی وقفے وقفے سے درخت پر چڑھتی اور گدھ کو خوشامدی جملوں سے مطمئن کر کے پرندوں کا بچہ اُٹھا لاتی اور اندھے گدھ کے گھر کے باہر بیٹھ کر اُسے کھا جاتی۔ بلی یہ کام پورے دن میں کئی بار کرتی رہی' پرندے جب شام کو گھر لوٹے تو اپنے بچوں کو نہ پا کر سخت پریشان ہوئے۔ اُنھوں نے گدھ سے اس کی وجہ پوچھی تو اُس نے یہ بات ماننے سے انکار کر دیا کہ کوئی جانور ان بچوں کو ختم کر رہا ہے۔ اتنی دیر میں طوطے نے گدھ کے گھر کے باہر بچوں کی ہڈیاں اور پَر دیکھے تو وہ غصہ سے چیخا: ''یہ ظالم ہمارے بچوں کا قاتل ہے۔ وہ دیکھو اُس کے گھر کے باہر ہمارے بچوں کے پَر اور ہڈیاں پڑی ہیں۔'' کبوتر، کوئل اور فاختہ نے بھی جب گدھ کے گھر کے باہر اپنے اپنے بچوں کے پَر اور ہڈیاں دیکھیں تو اُن کی آنکھوں میں خون اُتر آیا۔ اُنھوں نے یقین کر لیا کہ یہ اندھا گدھ ہی اُن کے بچوں کا قاتل ہے' جو اپنی بھوک مٹانے کے لیے اُن کے بچے مار رہا ہے۔ گدھ نے اُن کو سچ بتانے کی کوشش کی تو تمام پرندے اُس پر حملہ آور ہو گئے اور گدھ کو اتنی بُری طرح پیٹا کہ وہ منٹوں میں مَر گیا۔ بلی دور کھیتوں میں بیٹھی یہ سارا ماجرا دیکھ کر مسکرا رہی تھی۔

اچھے بچو!

ہمیشہ خوشامدی دوستوں سے ہوشیار رہو ورنہ وہ خوشامد کر کے آپ کو نقصان پہنچا سکتے ہیں۔

✪ ✪ ✪

تین خواہشیں

شاہ نواز بہت شرارتی لڑکا تھا۔ ہر وقت کوئی نہ کوئی شرارت سوچتا رہتا کبھی چڑیا کا گھونسلہ نیچے گرا دیتا تو کبھی بلی کے بچے کو دُم سے پکڑ کر کھینچتا رہتا۔ اس کی شرارتوں سے پورا علاقہ پریشان تھا۔ اس کے امی اور ابو فوت ہو چکے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ اُس کی کوئی خاص تربیت نہیں ہوئی تھی۔ ایک دن شاہ نواز کھیتوں میں چلا گیا' جہاں اُس نے ایک چڑیا کا بچہ دیکھا' جو شدید زخمی تھا۔ شاہ نواز نے سوچا کہ اس بچے کو خوب تنگ کروں گا مگر اچانک اُس کے دل میں رحم آیا اور وہ اُس بچے کو اُٹھا کر اپنے گھر لے آیا اور بچے کو دانہ ڈالا۔ اُس کے زخموں پر مرہم لگایا۔ ایک برتن میں پانی ڈال کر چڑیا کے بچے کے سامنے رکھ دیا۔ چڑیا کا بچہ پہلے شاہ نواز سے ڈر رہا تھا۔ مگر جب اُس کو زخموں میں آرام محسوس ہوا تو سکون سے بیٹھا رہا۔ چڑیا کا بچہ اب دانہ کھا کر پانی پینے لگا تھا۔ رات تک چڑیا کا بچہ کافی بہتر ہو گیا۔ وہ اب پورے گھر میں پھُدکتا رہا۔ چڑیا کے بچے کو تندرست دیکھ کر شاہ نواز بہت خوش ہوا۔ صبح جب شاہ نواز کی آنکھ کُھلی تو یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ چڑیا کا بچہ گھر میں نہیں تھا بلکہ اُس کی بجائے ایک بہت خوب صورت پَری بیٹھی ہوئی تھی۔ شاہ نواز پَری کو دیکھ کر بہت گھبرایا۔ پَری نے شاہ نواز کی پریشانی دیکھ کر کہا:

''اے اچھے انسان! میں نے تمہاری شرارتوں کا بہت چرچا سن رکھا تھا۔ مجھے تمہاری شرارتوں پر بہت دُکھ ہوتا تھا۔ میں چاہتی تھی کہ تم ایک اچھے بچے بن جاؤ۔ اس لیے میں نے تمہارا امتحان لیا اور تم اُس امتحان میں کامیاب ہوگئے ہو۔ اب میں تم کو ایک موقع دیتی ہوں کہ مجھے اپنی ایک خواہش بتاؤ۔ جسے میں پورا کردوں۔ پھر میں تم کو ایسی طاقت دوں گی کہ اگر کوئی تم سے تین خواہش کرے گا تو وہ پوری ہو جائیں گی۔'' شاہ نواز بظاہر بہت اچھا بچہ بن چکا تھا مگر اب بھی اُس کے دل میں شرارت بسی ہوئی تھی۔ اُس نے پری سے کہا کہ میں درخت پر گھر بنانا چاہتا ہوں۔ مجھے درخت پر بنے گھونسلے بہت اچھے لگتے ہیں۔ میرا دل چاہتا ہے کہ میں پرندوں کی طرح درخت پر رہوں۔ پَری نے ہاتھ میں پکڑی چھڑی فضا میں لہرائی اور ایک بہت بڑے درخت پر خوب صورت گھر بن گیا۔ جس کو دیکھ کر شاہ نواز بہت خوش ہوا۔ پَری اُس کی خوشی دیکھ کر مسکرائی اور وہاں سے چلی گئی۔

اب شاہ نواز ہر وقت درخت پر بنے گھر میں رہتا تھا۔ وہ مزے سے درخت کا پھل کھاتا اور درخت پر بیٹھ کر دُور دُور کا نظارہ کرتا۔ ایک دن شاہ نواز درخت پر بنے اپنے گھر میں سویا ہوا تھا کہ اُس نے ایک لکڑہارا دیکھا۔ جو ہاتھ میں کلہاڑا پکڑے اُس کے درخت کے پاس کھڑا تھا۔ لکڑہارا درخت دیکھ کر بہت خوش ہوا۔ اس سے پہلے لکڑہارا درخت پر کلہاڑا چلاتا' شاہ نواز فوراً درخت سے نیچے اُترا اور غصے سے بولا: ''ارے بیوقوف! تم میرے گھر کو کیوں توڑنا چاہتے ہو؟ رُک جاؤ۔ میں نے یہ گھر اپنی خواہش پر حاصل کیا ہے۔ میں نے اپنا گھر بیچ دیا ہے۔ اب اس گھر کے سوا میرا کوئی ٹھکانہ نہیں ہے۔ میرا ٹھکانہ مت ختم کرو۔''

لکڑہارا ہنس کر بولا: ''مگر مجھے ڈھیر ساری لکڑی کی ضرورت ہے۔ اس درخت کی لکڑی سب سے مضبوط اور زیادہ ہے۔ میں نے اس کی لکڑی بیچ کر بہت سارا روپیہ اکٹھا کرنا ہے۔ تاکہ میں بھی آرام کی زندگی بسر کرسکوں۔'' شاہ نواز نے ہاتھ جوڑتے ہوئے اپیل کی: ''میں تم سے درخواست کرتا ہوں۔ میرے درخت کو نہ کاٹو۔ میں اس کے بدلے تمہاری تین خواہش پورا کرنے کا وعدہ کرتا ہوں۔ مجھے کسی اور کی تین خواہش پوری کرنے کا حق ہے مگر میں اپنے لیے کوئی خواہش پوری نہیں کرسکتا۔ تم میرا درخت اور گھر نہ توڑو۔ میں وہ تین خواہش تمہارے لیے پوری کردوں گا۔ لکڑہارا شاہ نواز کی باتیں سُن کر خوب ہنسا اور بولا: ''کیا تم کسی جن کے بچے ہو یا کسی پَری کے؟ تم میری خواہش کیسے پوری کرو گے؟'' شاہ نواز نے ایک بار پھر ہاتھ جوڑ کر درخواست کی: ''اے محترم دوست! اگر میں نے تمہاری تین خواہشیں پوری نہ کیں تو تم میرا درخت اور گھر کاٹ لینا۔'' لکڑہارا اس شرط پر راضی ہوگیا اور اپنے گھر واپس آ گیا۔ اُس نے اپنی بیوی کو تین خواہشوں کی خوش خبری بتائی اور بولا تم کوئی اچھی سے خواہش کرنا۔ تاکہ ہم بہت امیر ہو جائیں۔'' لکڑہارے کی بیوی یہ بات سُن کر بہت خوش ہوئی اور بولی: ''ہم رات کو اچھی طرح سوچ کر یہ خواہش کریں گے۔'' لکڑہارا سارا دن لکڑیاں ڈھونڈتا رہا تھا۔ اس لیے اب اُس کو بہت بھوک لگی ہوئی تھی۔ اُس نے اپنی بیوی سے کہا کہ تم نے جو یخنی پکائی تھی، وہ لے آؤ۔ جب اُس کی بیوی یخنی لے کر آئی تو لکڑہارے نے سوچا۔ مجھے شاہ نواز نے تین خواہش پوری کرنے کا وعدہ کیا تھا۔ اگر میں ایک چھوٹی خواہش کرکے اس وقت خوب پیٹ بھر لوں تو باقی دو بڑی خواہشیں پھر کرلوں گا۔ یہ سوچ کر لکڑہارے نے دل میں خواہش کی۔ ''یخنی

کے ساتھ مٹر کے دانے اور سرکہ ہو جو فوراً اُس کے سامنے آ گئے۔لکڑ ہارا تو بہت خوش ہوا مگر اُس کی بیوی کو بہت غصہ آیا کہ تم نے بلا وجہ ایک خواہش ضائع کر دی۔ مٹر کھانے تھے تو مجھے کہتے، میں ساتھ والے کھیت سے توڑ لاتی۔ میں نے یخنی میں اس لیے مٹر نہیں ڈالے تھے کہ مجھے مٹر اچھے نہیں لگتے۔کیا ہی اچھا ہو کہ تمام چیزیں واپس چلی آئیں۔لکڑ ہارے کی بیوی سے یہ لفظ کیا نکلے کہ سرکے کی بوتل اور مٹر کے دانے لکڑ ہارے کی بیوی کے منہ میں گھس گئے۔جس کی وجہ وہ بُری طرح چیخنے لگی۔اُس کے منہ میں سخت تکلیف ہو رہی تھی۔اب چونکہ دو خواہشیں پوری ہو چکی تھیں، اب صرف ایک خواہش باقی تھی۔لکڑ ہارے نے بہت زور لگایا کہ اُس کی بیوی کو تکلیف سے نجات مل جائے مگر سرکے کی بوتل اُس کے منہ میں بُری طرح پھنس چکی تھی۔آخر لکڑ ہارے نے دل میں سوچا اگر یہ تمام چیزیں اُس کی بیوی کے منہ سے باہر نکل آئیں تو یہ اُس کی سب سے بڑی خواہش ہو گی۔لکڑ ہارے نے ابھی یہ سوچا ہی تھا کہ تمام چیزیں اُس کی بیوی کے گلے سے باہر نکل آئیں۔لکڑ ہارے کی بیوی کو درد سے چھٹکارہ مل چکا تھا۔اب دونوں میاں بیوی نے امیر بننے سے توبہ کی اور جس حال میں تھے اُسی حال میں رہنے کا شکر ادا کیا۔اب دونوں میاں بیوی روکھی سوکھی کھا کر خوش تھے۔

اچھے بچو!

کبھی زیادہ لالچ نہیں کرنی چاہیے۔جتنی ضرورت ہو اتنے کی خواہش کرنی چاہیے۔

✪ ✪ ✪

نرم اور ملائم پر

ایک بھیڑیا سر جھکائے لومڑی کے سامنے سے گزر رہا تھا۔ بھیڑیا بہت کمزور اور سست نظر آ رہا تھا۔ چوں کہ لومڑی اور بھیڑیا ایک دوسرے کو خوب جانتے تھے اس لیے لومڑی نے بھیڑیے کو آواز دے کر روکا اور پوچھا: ''بھائی جی! کیا بات ہوئی؟ کچھ دنوں سے نظر نہیں آ رہے تھے۔ لومڑی نے مسکراتے ہوئے بھیڑیے کی طرف دیکھا تو وہ بولا: ''بہن بہت دن گزر گئے ہیں، مجھے کھانے کے لیے کوئی بڑا کیا، چھوٹا شکار بھی نہیں ملا۔ کئی دنوں سے بھوکا ہوں۔ اب تھک ہار کر دوسرے جنگل میں جا رہا تھا کہ تم مل گئی ہو۔ لومڑی نے اپنی مسکراہٹ ختم کرتے ہوئے بھیڑیے سے کہا: ''بھائی بھیڑیے! یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ ابھی جنگل میں ہمارے لیے بہت شکار موجود ہے۔ پھر تم مایوس کیوں ہو گئے؟

''کیا بولوں بہن لومڑی! یہاں سب جانور اس قدر چالاک ہو گئے ہیں کہ اُن کو بیوقوف بنانا آسان نہیں۔ اب تو کوئی مُرغابی، بطخ بھی بیوقوف نہیں بنتے۔ میں تو بھوک سے نڈھال ہو چکا ہوں۔'' بھیڑیے کی باتیں سن کر لومڑی نے ایک قہقہہ لگایا اور بھیڑیے کو لے کر دریا کی طرف چل پڑی۔ دریا کے کنارے پہنچ کر لومڑی نے بھیڑیے کو قریبی جھاڑی میں

چُھپ کر بیٹھنے کو کہا اور خود ٹہلتی ہوئی دریا کے کنارے کی طرف آ گئی۔ جہاں دریا میں بہت موٹی تازی، گول گپے جیسی خوبصورت بطخ تیر رہی تھی۔ بطخ دریا میں تیرتے ہوئے خوب اٹکھیلیاں کررہی تھی۔ لومڑی نے بطخ سے کہا: ''پیاری دوست کیسی ہو؟ خوب مزے سے تیر رہی ہو؟ موسم بھی خوشگوار ہے۔ سب کو ایسے موسم میں خوب مزہ لینا چاہیے۔'' بطخ نے آنکھیں مٹکاتے ہوئے لومڑی کی طرف دیکھا اور بولی: ''ارے چالاک لومڑی! میں نے تمہاری چالاکی کے کئی قصے سنے ہوئے ہیں۔ تم اپنی میٹھی باتوں اور چالاکی سے مجھ جیسی سادہ بطخوں کو شکار کرلیتی ہو اور ہاں تمہارا چالاک دوست بھیڑیا کہاں ہے؟ پہلے تو تم دونوں شکار کیا کرتے تھے۔'' یہ کہہ کر بطخ خود ہی مسکرائی اور بولی: ''میں سمجھ گئی۔ تم نے اُسے یقیناً کسی جھاڑی میں چُھپایا ہوگا۔ جہاں وہ تاک لگا کر بیٹھا ہوگا۔ آج کس کو بیوقوف بنا کر شکار کرنے کا ارادہ ہے؟'' لومڑی نے مکاری سے کہا: ''میری پیاری دوست! ہمارا ایسا کوئی ارادہ نہیں ہے۔ تم کو کسی نے غلط بتایا ہوگا۔ ہم تو اپنے دوستوں کے دوست ہیں۔ اب تم یہ بات اپنے دل سے نکال دو کہ ہم کسی بُرے خیال سے تمہارے پاس آئے ہیں۔ میرا دوست بھیڑیا واقعی جھاڑیوں میں بیٹھا ہے مگر وہ شکار کی نیت سے نہیں بیٹھا بلکہ وہ تو بہت شرمیلا اور بزدل ہے، وہ تم سے بات کرنے سے ڈرتا ہے اور تمہاری خوبصورتی سے شرم کھاتا ہے۔ وہ تم سے شرم کھا کر جھاڑیوں میں بیٹھ گیا ہے۔ دراصل آج ہم دونوں یہ بات کررہے تھے کہ لوگ یہ کیوں کہتے ہیں کہ بطخ کے پروں والا تکیہ بہت اچھا اور نرم و ملائم ہوتا ہے۔ جو سر کے نیچے رکھ کر سونے سے بہت میٹھی نیند آتی ہے۔'' بطخ لومڑی کی

بات سن کر بہت خوش ہوئی اور بولی: ''دراصل میرے پَر بہت نرم و ملائم ہیں۔''لومڑی نے مکّاری دکھاتے ہوئے کہا: ''بالکل، میں یہی بات بھیڑیے کو بتائی تھی مگر وہ مانتا ہی نہیں۔ وہ کہتا ہے یہ بطخیں صرف دیکھنے میں خوب صورت ہوتی ہیں۔ ان کے پر اتنے نرم و ملائم نہیں ہوتے جتنا اُن کو سمجھا جاتا ہے۔ ان سے زیادہ نرم پر تو کئی پرندوں کے ہوتے ہیں۔ یہ بطخ کی خوش فہمی ہے کہ اُس کے پر سب سے نرم ہیں۔''

بطخ نے آنکھیں مٹکاتے ہوئے کہا: ''اچھا، تو جاؤ اور اُسے جا کر بتادو کہ میرے پروں سے بہتر دنیا میں کسی کے پر نہیں ہیں۔ اتنے نرم و ملائم پَر صرف میرے ہیں''۔ یہ کہہ کر بطخ نے پانی میں غوطہ لگایا اور اپنی دُم کو ہلاتے ہوئے دریا میں تیرنے لگ گئی۔ لومڑی شکار ہاتھ سے جاتا دیکھ کر فوراً بولی میں یہ اصل حقیقت اُس کو بتادوں گی۔ کیا ہی اچھا ہو جو تم مجھے اپنا ایک پر دے دو تاکہ میں بھیڑیے کو یقین دلاسکوں۔ بطخ نے لومڑی کی بات سُنی اور واپس آکر بولی: ''ہاں یہ ٹھیک ہے، اس طرح اُس جاہل کو بات سمجھ آجائے گی۔ میں تم کو اپنی دُم کے چند پَر دیتی ہوں۔ یہ اُس کو دکھانا اور پوچھنا سب سے نرم و ملائم پَر کس کے ہوتے ہیں؟'' یہ کہہ کو بطخ تیرتی ہوئی لومڑی کے پاس آئی اور دُم کے پر نکالنے کے لیے جیسی ہی گردن گھمانے لگی تو پہلے سے حملہ کے لئے تیار لومڑی نے اُسے دبوچ لیا، بطخ کو کچھ سمجھ نہ آئی کہ اُس کے ساتھ کیا ماجرا ہوگیا ہے؟ لومڑی نے جھٹ سے بطخ کو ہڑپ کرلیا اور اُس کے نرم و نازک پروں کا تکیہ بنا کر اُس پر ٹیک لگا کر بیٹھ گئی۔

بھیڑیا یہ سارا کھیل بہت حیرانی اور دل چسپی سے دیکھ رہا تھا۔ وہ جھاڑیوں سے باہر نکلا اور لومڑی کے پاس آ کر کھڑا ہو گیا۔ لومڑی نے بھیڑیے کی طرف دیکھا اور ہنس کر بولی: ''اچھے دوست! تم خواہ مخواہ پریشان تھے کہ یہاں شکار نہیں ملتا۔ سب جانور جدید دور کے تقاضے پہچان گئے ہیں۔ خود ہی تم نے دیکھ لیا کہ یہاں آج بھی ہر وقت شکار مل جاتا ہے۔ لیکن ذرا عقل سے کام لینا پڑتا ہے۔ میری بات تمہاری سمجھ میں آئی کہ نہیں؟ بھیڑیا لومڑی کی بات سن کر جھٹ سے جھاڑیوں کے پیچھے گیا اور دریا کی کیچڑ کو اپنے جسم پر لگا کر بطخ کے پَروں کو بھی اپنے جسم پر لگا لیا اور لومڑی سے اجازت لے کر چل پڑا۔ لومڑی تو مزے دار گوشت کھا کر خوب مزے میں تھی۔ وہ اُٹھی اور جنگل کی طرف چل پڑی۔ راستے میں اُس نے بھیڑیے کی آواز سنی اور ساتھ کچھ اور آوازیں بھی سُنیں۔ درختوں کے نیچے اُگے پودوں کے پتے بھی ہل رہے تھے۔ لومڑی یہ صورت حال دیکھ کر مسکرائی اور سمجھ گئی کہ اُس کا دوست شکار حاصل کرنے میں یقیناً کامیاب ہو گیا ہے۔ لومڑی نے زوردار قہقہہ لگایا اور جنگل کی طرف چل پڑی۔

اچھے بچو!

خوشامد سے ہمیشہ بچنا چاہیے۔ یہ ایسی چیز ہے جو عقل مند کو بھی بیوقوف بنا دیتی ہے۔

نقلی خوب صورتی

آج جنگل میں پھر پرندوں کی خوب لڑائی ہوئی تھی۔ تمام پرندے بلند آواز سے لڑ رہے تھے۔ پورا جنگل ان کے شور سے گونج رہا تھا۔ پرندوں کی لڑائی اس وجہ سے ہوتی تھی کہ ہر پرندہ خود کو بہت خوب صورت سمجھتا تھا اور دوسرے پرندوں کو عام صورت کہتا تھا۔ کبھی کوئی پرندہ کہتا: ”میرے پَر کتنے خوب صورت ہیں؟ ان کی خوب صورتی کسی اور پرندے کے پَر میں نظر نہیں آتی۔“ کبھی کوئی پرندہ اپنے پَروں کو پھیلاتا اور بولتا: ”میرے پَر سب سے زیادہ نرم ہیں۔“ یہ بات سُن کر دوسرا پرندہ خود کو زیادہ خوب صورت ثابت کرنے کے لیے کہتا کہ میرے پَر سب سے زیادہ خوب صورت رنگ ہیں۔ ایسی باتیں کرتے کرتے ان پرندوں کی نوک جھونک با قاعدہ لڑائی کی صورت اختیار کر جاتی تھی۔ اس لڑائی میں ایک دوسرے کو خوب چونچ مارتے اور خُوب جی بھر کر ایک دوسرے کے پَر نوچتے تھے۔ آج بھی لڑائی کی وجہ وہی پرانی بات تھی مگر آج کی لڑائی بہت خطرناک حد تک بڑھ چکی تھی۔ تمام پرندے ایک دوسرے کی خُوب صورتی ختم کرنے کے لیے ہر طریقہ استعمال کر رہے تھے۔ جنگل میں پرندوں کے پَر بکھرے ہوئے تھے۔ اس سے پہلے کہ لڑائی مزید بڑھتی اس دوران ایک بہت ہی خوب صورت پَری نے تمام پرندوں کو لڑائی روکنے اور تسلی سے بیٹھ کر بات کرنے کو کہا تو تمام پرندے اچھے بچوں کی طرح

آرام سے بیٹھ گئے۔ پَری نے تمام پرندوں کو ایک جگہ پر اکٹھا کیا اور بولی: ''میں کبھی کبھار تمہارے جنگل سے گزرتی ہوں مگر جب بھی گزرتی تو تمہاری لڑائی ہوتی ضرور دیکھا کرتی تھی۔ میں نے کئی بار تمہاری لڑائی ختم کرنے کا سوچا مگر آج تو تم لوگوں کی لڑائی نے مجھے بہت مایوس کیا ہے۔ چلو یوں کرتے ہیں کہ تمہاری یہ لڑائی میں ہمیشہ کے لیے ختم کر دیتی ہوں۔ میں چند دنوں تک واپس آؤں گی اور تمہارے جنگل سے گزر کر آگے جاؤں گی۔ اب تم لوگ خود فیصلہ کرلو کہ تم میں سب سے زیادہ کون سا پرندہ خوب صورت ہے؟ میں اُس پرندے کو تمہارا بادشاہ بنادوں گی۔ تاکہ یہ روز روز کا فساد ختم ہو جائے۔''

پَری کی بات سُن کر تمام پرندے ایک دوسرے کا منہ تکنے لگے۔ آخر اُنھوں نے پَری کے فیصلے کو مانتے ہوئے آپس میں مقابلہ کرنے کا فیصلہ کیا۔ مقابلے کی تیاری پورے جوش وخروش سے شروع کردی گئی۔ ہر پرندہ خود کو سب سے زیادہ خُوب صورت تصّور کرتا تھا' اس لیے وہ خود کو مزید خُوب صورت بنانے لگ گئے۔ مور نے سب پرندوں کی تیاری دیکھی تو اپنی دُم پھیلا کر بولا: ''تم سب جتنی مرضی تیاری کرلو میری طرح کی خوب صورتی نہیں لا سکتے۔ میرے پَر اتنے خوب صورت ہیں کہ لوگ اپنے گھروں کو خوب صورت بنانے کے لیے سجاتے ہیں۔ میری دُم کے جتنے رنگ ہیں' اتنے رنگ تو تم میں کسی کی دم میں نہیں ہیں۔ میں جب اپنی دُم کو پھیلا کرناچتا ہوں تو سارا جنگل میری دُم کی خُوب صورتی دیکھنے کے لیے رُک جاتا ہے۔ میری دُم کی خُوب صورتی قدرت کا بہت بڑا انعام ہے۔ تم سب یقین کرلو کہ میں ہی تم میں سب سے زیادہ خُوب صورت ہوں۔''

رنگین چھوٹے طوطے بھی اپنی خُوب صورتی پر غور کر رہے تھے۔ اُنھوں نے کہا: ”ہم دیکھنے میں بہت چھوٹے ہیں مگر انسان اپنے گھروں کی خُوب صورتی کے لیے ہمارے وجود کو لازمی قرار دیتے ہیں۔ جن گھروں میں ننھے مُنے بچے ہوتے ہیں وہ لوگ ہمیں بہت شوق سے پالتے ہیں۔ ہم انسان کے مزاج کو خُوب جانتے ہیں۔ اس لیے ہم ظاہری خُوب صورت ہونے کے ساتھ عقل مند بھی ہیں۔“ پاس ہی ایک کوا بھی بیٹھا تھا۔ وہ دل ہی دل میں سوچنے لگا کہ ”قدرت نے تمام پرندوں کو خُوب صورت رنگ سے سجایا ہے۔ ان کے پَروں کو دھنک کے ساتوں رنگ دیئے ہیں مگر ہم کوے معلوم نہیں کیوں اتنے کالے ہوتے ہیں؟ ہم لوگ جتنا مرضی سنور لیں مگر کالے کے کالے ہی رہتے ہیں۔ اگر کالے رنگ کی بجائے خُوب صورت رنگ والے ہوتے تو یقیناً کوئی کوا ہی اس جنگل کا بادشاہ بن جاتا۔ ابھی کوا یہ باتیں سوچ رہا تھا کہ راج ہنس جو ندی کے پانی میں اپنے سفید پروں کو دھودھو کر نکھار رہا تھا بولا: ”کوے میاں! تم تو کالے کے کالے ہو۔ اس مقابلے میں حصہ لینے کی غلطی نہ کرنا۔ ایسے ہی شرمندہ ہو جاؤ گئے۔“ راج ہنس نے تمام پرندوں کو اپنے پاس بُلایا اور بولا: ”تمام پرندے میری بات کو غور سے سُن لو۔ تمہاری خُوب صورتی کسی کام کی نہیں جب تک تم سب خود کو صاف رکھنے کے لیے نہا نہیں لیتے۔“ راج ہنس کی بات تمام پرندوں کو بے حد پسند آئی اور پرندے بولے کہ راج ہنس بالکل ٹھیک کہتا ہے۔ ایسا تو ہم نے سوچا بھی نہیں تھا۔ راج ہنس کتنا ہمدرد پرندہ ہے۔ جو مقابلے کی تیاری میں سب کی بھرپور مدد کر رہا ہے۔ ہمیں لازمی نہانا چاہیے۔“ یہ سوچ کر تمام پرندے پُھرتی سے ندی میں کُود پڑے اور اپنے پروں کو خُوب اچھی طرح رگڑ کر چمکانے لگ

گئے۔ کوا بھی دوسرے پرندوں کو دیکھ کر ندی کے پانی میں اُتر گیا اور اپنے پَروں کو محنت سے اچھی طرح مَل مَل کر دھونے لگا۔ مگر کوے کے پر کالے سیاہ تھے' وہ کالے کے کالے ہی رہے۔ سب پرندے ندی کے پانی میں اپنے پروں کو خُوب رگڑ رگڑ کر دھونے کے بعد اپنے گھونسلوں میں چلے گئے۔ مگر کوا اپنی جگہ پر بیٹھا رہا۔ وہ ندی کے پانی میں اپنی صورت دیکھ کر سوچنے لگا: ''میں کالے رنگ والا کتنا بدصورت ہوں۔ میں جتنا مرضی خود کو چمکا لوں مگر میرا رنگ کالے کا کالا ہی رہے گا۔'' کوا ندی کے پانی میں اپنا رنگ دیکھ کر آنسو بہا رہا تھا۔ اُس نے ندی کے پانی پر تیرتے ہوئے پَروں کو دیکھا۔ یہ پَر اُن پرندوں کے تھے جو ندی کے پانی میں خود کو چمکا رہے تھے۔ پانی میں نہانے کی وجہ سے پرندوں کے پَر ٹوٹ کر گر گئے تھے۔ ان پَروں کو دیکھ کر کوے کو زبردست قسم کی ترکیب سُوجھی۔ اُس نے ندی کے کنارے لگے کیکر کے درخت سے اُس کی گُوند اُتاری اور ایک ایک کر کے تمام پروں کو گوند لگا کر اپنے پَروں پر چپکا لیا۔ اب تو کوا بالکل بدل چُکا تھا۔ کوئی بھی اُسے پہچان نہیں سکتا تھا۔ کوے نے ندی کے پانی میں اپنی صُورت دیکھی تو شرما کر رہ گیا۔ کیوں کہ اتنی خُوب صورتی تو کسی اور پرندے میں نہیں تھی۔ کوا بہت خُوب صورت ہو گیا تھا۔ اُسے دیکھ کر تمام پرندے حیران رہ گئے کہ یہ سب کیسے ہو گیا؟

چند دنوں کے بعد جو پَری جنگل سے گزری تو اُس نے تمام پرندوں کو ایک جگہ پر اکٹھا کر لیا اور غور سے تمام پرندوں کو دیکھنے لگ گئی۔ پَری تمام پرندوں کو خُوب اچھی طرح دیکھ رہی تھی تا کہ کسی پرندے سے زیادتی نہ ہو جائے۔ پَری نے سب پرندوں کو دیکھ کر اپنا فیصلہ سنایا

کہ میں نے تمام پرندوں کو بہت غور سے دیکھا ہے۔ مگر میں تم میں سب سے زیادہ خُوب صورت اس پرندے کو قرار دیتی ہوں۔ پَری نے ہاتھ میں پکڑی ستارے والی چھڑی کا رُخ کوے کی طرف کر دیا۔ پَری نے کوے کو جنگل کا بادشاہ مقرر کر دیا اور پھولوں سے سجا تاج کوے کے سر پر رکھ دیا۔"

پَری اپنا فیصلہ سنا کر اپنے دیس چلی گئی۔ پَری کے جانے کے بعد دوسرے پرندوں کو بہت غصہ آیا کہ کوا ہمارے گرے پَروں کو خود اپنے پَروں پر چپکا کر نقلی خُوب صورت بن گیا ہے۔ کوے نے نقلی خُوب صورتی دکھا کر مقابلہ خُوب صورتی جیت لیا ہے۔ اب تمام پرندوں نے غصے میں آ کر کوے کو خُوب مارنا شروع کر دیا۔ پرندے اپنی چُونچ سے کوے پر چپکے پَر اُتارنے لگ گئے۔ تھوڑی دیر میں جنگل کا نیا بادشاہ اپنی نقلی خُوب صورتی کھو چکا تھا۔ کوا اپنی اصلی حالت میں آ چکا تھا مگر پرندوں کے مارنے اور رنگین پَروں کو نوچنے کی وجہ سے اُس کے اپنے پَر بھی اُتر چکے تھے۔ کوا اپنی اصل حالت سے بہت بدل گیا تھا۔ جب کوے نے اپنی حالت دیکھی تو اُسے احساس ہوا کہ نقلی خُوب صورتی کا کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔ پھر یہ نقلی خُوب صورتی بہت مہنگی پڑتی ہے۔ اب تمام پرندے ایک دوسرے کی خُوب صورتی کو مانتے ہوئے سب کو عزت دینے لگے اور کوا اپنی اصل خُوب صورتی کے لوٹ آنے کا انتظار کرنے لگا۔

اچھے بچو! نقلی خُوب صورتی کی بجائے انسان کو اپنے اعمال کو اچھا بنانا چاہیے۔ اصل خُوب صورتی وہی ہوتی ہے جو اپنے اعمال کو اچھا بنا کر رکھے۔

✪ ✪ ✪

پھر چور پکڑا گیا

عمران بہت محنتی کسان تھا۔ اپنی زمین پر خُوب دل لگا کر محنت کرتا تھا۔ جس کی وجہ سے قدرت بھی اُس کی فصل میں خوب اضافہ کر دیتی تھی۔ عمران اپنی زمین کو سگی اولاد کی طرح چاہتا تھا۔ عمران کو اپنی کم زمین بھی بہت زیادہ لگتی تھی۔ وہ سارا دن جی بھر کر اس میں ہل چلاتا اور رکھوالی کرتا تھا۔ عمران ہر سال مکئی اُگاتا تھا۔ جس سے ملنے والی رقم سے وہ اپنے گھر کا مالی خرچ پورا کرتا تھا۔ عمران اپنی زندگی سے بہت مطمئن تھا۔ وہ ہر وقت اللہ کریم کی رحمت اور کرم پر شکر ادا کرتا رہتا تھا۔ عمران کی اسی عادت سے اُسے ڈھیروں منافع ہوتا تھا۔

یہ اپریل کے آخری دنوں کی بات ہے۔ مکئی پک کر تیار ہو چکی تھی۔ یہ فصل کاٹنے کا مہینا تھا۔ عمران اپنی فصل کو دیکھ کر بہت خوش ہو رہا تھا۔ کیوں کہ اس مرتبہ بھی قدرت نے اس کی فصل میں بے پناہ اضافہ کیا تھا۔ عمران کو اپنی محنت کا پھل نظر آ رہا تھا۔ عمران اپنی بھرپور فصل دیکھ کر خوش ہو کر گھر کی طرف آیا تا کہ اپنی بیوی کو یہ خوش خبری بتا سکے۔ عمران جلدی جلدی قدم بڑھاتا ہوا گھر جا رہا تھا۔ تمام راستے وہ فصل کو کاٹنے کا منصوبہ بناتا رہا کہ وہ کس طرح اس کو کاٹ لے اور فصل اکٹھی کر کے شہر لے جا کر منڈی میں بیچ سکے۔ عمران نے سوچا کہ وہ آج رات خوب جی بھر کر سوئے گا اور صبح سویرے اُٹھ کر فصل اکٹھی کر کے منڈی لے جائے گا۔

اگلے دن سورج طلوع ہونے سے پہلے عمران اپنے بیٹے کو لے کر کھیت کی طرف چل پڑا۔عمران کا بیٹا بھی اپنے باپ کی طرح بہت محنتی تھا۔مگر وہ شہر میں پڑھتا تھا۔آج کل اُسے چھٹیاں تھیں اور فصل کاٹنے کا موسم بھی تھا اس لیے وہ گاؤں آ گیا تھا۔عمران اپنے بیٹے کو لے کر جب اپنے کھیت کی طرف گیا تو اُسے اپنی نظروں کی بینائی پر شک ہونے لگا۔وہ دونوں ہاتھوں سے آنکھیں ملتا ہوا آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر سامنے دیکھنے لگا۔اُسے اپنی نظروں پر یقین نہیں آ رہا تھا۔پھر جب عمران نے اپنے کھیت کی طرف دیکھا تو سر پکڑ کر رہ گیا۔کیوں کہ اُس کا کھیت جو رات کو مکئی سے بھرا ہوا تھا اب وہی کھیت بالکل خالی تھا۔کوئی چالاک چور رات کو اُس کی غیر موجودگی کا فائدہ اُٹھاتے ہوئے فصل کاٹ کر لے گیا تھا۔عمران اس صورتِ حال سے بہت دلبرداشتہ ہوا اور اُس کا بیٹا اپنے باپ کو بانہوں میں تھام کر گھر لوٹ آیا۔وہ دونوں اس چوری پر بہت پریشان تھے۔کیوں کہ یہ عمران کی محنت کا صلہ تھا جو اُنھوں نے کاٹنا تھا۔مگر اب خالی کھیت دیکھ کر پریشانی سے عمران کا دل اور دماغ پھٹ رہا تھا۔عمران کے بیٹے نے باپ کو پانی پلایا اور کہا: ”ابو جان! ہم پر بہت بڑا ظلم ہوا ہے۔میں نے اس بار اپنی فیس بھی جمع کروانی تھی۔اب کیا ہوگا؟“ عمران نے اپنی پریشانی چھپاتے ہوئے بیٹے کو گلے سے لگا لیا اور بولا: ”بیٹا! یہ فصل میری محنت تھی۔میں اُمید کرتا ہوں کہ اللہ کریم مجھ سے ناانصافی نہیں فرمائے گا۔ مجھے اللہ کریم پر مکمل بھروسا ہے۔وہ خود چور کو سزا دے گا۔میں چودھری صاحب کے پاس جاتا

ہوں۔ چودھری صاحب بہت نیک اور رحم دل انسان ہیں۔ چودھری صاحب ہمارے گاؤں کے لیے اللہ کریم کا خاص انعام ہیں اور بے حد درویش صفت انسان ہیں۔ اللہ کریم ان کو لمبی عمر عطا فرمائے۔ غریبوں کا بھلا سوچنے والے انسان ہیں۔''

عمران نے اپنے بیٹے کو ساتھ لیا اور چودھری صاحب کی حویلی چلا گیا۔ چودھری صاحب حویلی کے باہر بیٹھک میں بیٹھے ہوئے تھے۔ اُنھوں نے عمران کے چہرے کا رنگ اُڑا دیکھا تو سمجھ گئے کہ عمران کو سخت پریشانی ہے۔ اُنھوں نے عمران کو اپنے پاس بٹھالیا اور پریشانی کی وجہ پوچھی۔ عمران نے سارا واقعہ اُن کو سنایا اور انصاف کرنے کی درخواست کی۔ چودھری صاحب کو چور کی چالاکی اور پھرتی پر بہت حیرانی ہوئی اور کچھ دیر سوچنے کے بعد اپنے منشی کو حکم دیا کہ وہ تمام گاؤں کے کسانوں کو بلا لائے۔ منشی حکم ملتے ہی گاؤں کے کسانوں کو بلانے کے لیے چل پڑا۔ چودھری صاحب نے عمران کو صبر اور حوصلہ کی تاکید کی اور کہا کہ ان شاء اللہ اُسے ضرور انصاف ملے گا۔ چودھری صاحب کو اس چوری کا بہت دُکھ ہوا تھا۔ کیوں کہ عمران بہت شریف آدمی تھا اور اُس کی کسی سے بھی کوئی دشمنی بھی نہیں تھی۔

تھوڑی دیر میں منشی تمام کسانوں کو بلا لایا۔ چودھری صاحب نے عمران کے ساتھ ہونے والی زیادتی کا اُنھیں بتایا اور کہا کہ اگر ان میں سے کسی نے فصل چوری کی ہے تو بتا دے۔ اُسے سچ بولنے پر معاف کر دیا جائے گا۔ اگر بعد میں چور پکڑا گیا تو اُسے سخت سزا دی

جائے گی۔تمام کسان ایک دوسرے کا منہ دیکھنے لگے۔کسی نے بھی اس چوری کا اعتراف نہ کیا۔آخر چودھری صاحب نے منشی کو حکم دیا کہ وہ تمام کسانوں کو ایک جیسی لمبی لکڑیاں دے دے اور تمام کسان یہ لکڑیاں اگلے دن صبح دس بجے اُس کے پاس واپس لے آئیں۔جو چور ہوگا اُس کی لکڑی دو اِنچ زیادہ ہوگی۔تمام کسان چودھری صاحب کے اس فیصلے سے بہت حیران ہوئے اور خاموشی سے لکڑیاں پکڑ کر اپنے اپنے گھر لوٹ آئے۔چودھری صاحب نے عمران کو اپنی حویلی میں مہمان خانے بھیج دیا کہ وہ رات اُس کے پاس ٹھہر جائے۔صبح چور پکڑنے کا واقعہ خود اپنی آنکھوں سے دیکھ بھی لے۔عمران کو چودھری صاحب کی اس ترکیب پر بہت حیرت ہوئی کہ بھلا اس طرح کوئی کسان چوری کا اعتراف کیسے کرے گا؟ مگر اُسے اللہ کریم اور چودھری صاحب کے انصاف پر مکمل اعتماد تھا۔ان کسانوں میں ایک کسان اصل چور تھا۔وہ جب گھر واپس پہنچا تو سوچنے لگا' یہ ضرور کوئی جادو کی لکڑی ہے۔اگر یہ رات کو دو اِنچ بڑھ گئی تو صبح سب کے سامنے راز کُھل جائے گا اور مکئی کی ساری رقم دینی پڑے گی۔ہوسکتا ہے کہ چودھری اُس کو سخت سزا بھی دے۔اس لیے اُس کسان نے آری لے کر لکڑی کو دو اِنچ کاٹ دیا' تاکہ صبح جب لکڑی لے کر چودھری صاحب کے پاس جائے تو لکڑی زیادہ نہ ہو۔کسان لکڑی کاٹ کر مطمئن ہوگیا اور اپنے بستر پر مزے سے سوگیا۔

اگلے دن صبح دس بجے تمام کسان ہاتھوں میں لکڑیاں پکڑے چودھری صاحب کی بیٹھک میں آ گئے۔ تمام کسان اصل چور کو پکڑنا چاہتے تھے۔ چودھری صاحب بھی عمران کے ساتھ بیٹھک میں آ گئے اور تمام کسان اُٹھ کر کھڑے ہو گئے۔ چودھری صاحب نے سب کو اپنی جگہ بیٹھنے کو کہا اور خود عمران کو اپنے ساتھ بٹھا کر بولے: ''دوستو! آج تک ہمارے گاؤں میں ایسی انوکھی چوری نہیں ہوئی تھی۔ یہ لکڑیاں میرے بزرگوں نے دی تھیں کہ جب کبھی کوئی ایسا مسئلہ ہو تو ان کی مدد سے چور پکڑ لیا کروں۔ اب چونکہ آپ سب یہاں آ گئے ہو اس لیے آپ سب اپنی اپنی لکڑی مجھے دکھائیں۔ تمام باری باری آگے آ کر لکڑی دکھائے اور واپس مڑ کر اپنی جگہ پر بیٹھ جائے۔''

چودھری صاحب لکڑی کو غور سے دیکھتے اور میز پر رکھ دیتے۔ جب اصل چور کسان کی باری آئی تو وہ کسی خوف کے بغیر چودھری صاحب کے پاس چلا گیا کہ اُس نے تو رات کو ہی لکڑی کاٹ لی تھی۔ مگر جب وہ چودھری صاحب کے پاس پہنچا اور لکڑی دکھائی تو چودھری صاحب نے خون آلود نظروں سے اُسے دیکھا اور آگے بڑھ کر اُسے بازوؤں سے پکڑ لیا۔ چور اپنی چوری پکڑے جانے پر خوف زدہ ہو گیا اور بھاگنے کی کوشش کرنے لگا۔ مگر چودھری صاحب کے محافظوں نے آگے بڑھ کر چور کو مضبوطی سے پکڑ لیا تھا۔ چودھری صاحب نے چور کو سچ بولنے کا وقت دیا۔ مگر وہ تو پکڑے جانے پر سخت پریشان ہو گیا تھا۔ چور اپنی بے گناہی ظاہر کر کے معافی مانگ رہا تھا مگر چودھری صاحب تو اصل چور پکڑے جانے پر خوش بھی تھے۔

جب چور نے چوری نہ مانی تو چودھری صاحب نے اُس پر بھوکے کتے چھوڑنے کا حکم دیا تو وہ فوراً مان گیا کہ اُس نے ہی عمران کی مکئی چوری کی تھی۔ کیوں کہ عمران کی مکئی سب سے زیادہ تھی۔ وہ سارا سال آرام کرتا رہتا تھا۔ جس سے اُس کی فصل کم ہوئی تھی اس لیے اُس نے چوری کرنے کا منصوبہ بنایا اور عمران کی غیر موجودگی پر ساری فصل چوری کر لی۔

چودھری صاحب نے چور کو پولیس کے حوالے کرنے کا حکم دیا اور چوری کی گئی فصل برآمد کرنے کا حکم دیا۔ عمران کو اپنی فصل ملنے پر بہت خوشی ہو رہی تھی۔ اُسے یقین تھا کہ اُس کی حق حلال کی کمائی کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا تھا۔ تمام کسانوں نے چودھری صاحب کی عقل مندی اور ترکیب کی بہت تعریف کی اور عمران کو انصاف ملنے پر مبارک باد دی۔ اصل چور کسان کو پولیس کے حوالے کر دیا گیا اور عمران اپنی مکئی کی فصل لے کر منڈی کی طرف چل پڑا۔

اچھے بچو!

چوری کبھی چھپتی نہیں ہے۔ چاہے جتنی بھی چھپائی جائے۔

✪ ✪ ✪

جعلی رعب

گیٹو بہت عقل منداور پڑھا لکھا چوہا تھا۔ اپنے طے کردہ وقت پر پڑھتا، کھیلتا اور سیر کرنے جاتا تھا۔ گیٹو کو کتابیں پڑھنے کا بہت شوق تھا۔ اُسے جب بھی موقع ملتا تو کتاب پڑھنے لگ جاتا تھا۔ گیٹو اب تک تمام افسانے اور ناول پڑھ چکا تھا۔ بچوں کی کہانیاں پڑھنا تو اس کی پہلی ترجیح ہوتی تھی۔ گیٹو جب بازار جاتا تو ضروری سامان خریدنے کے بعد کتابوں کی دُکان پر چلا جاتا اور اپنی پسند کی کئی کتابیں خرید کر لے آتا۔ جس کی وجہ سے اُس کا کمرہ کتابوں سے بھرا ہوا تھا۔ گیٹو کو ان کتابوں سے بہت محبت تھی۔ اُس نے ہر کتاب کو مضبوط جلد اور پلاسٹک کور کروایا ہوا تھا۔ ہر کتاب الماری میں نہایت سلیقے سے رکھی ہوئی تھی۔ دیکھنے والا اس کے کمرے کو لائبریری سمجھتا تھا۔

ایک دن گیٹو اپنے کمرے میں بیٹھا افسانہ پڑھ رہا تھا۔ یہ بہت مشہور لکھاری کی کتاب تھی۔ کتاب پڑھتے ہوئے وہ ایک صفحہ پر رُک گیا۔ جہاں لکھا ہوا تھا ''ہاتھی' چوہے سے ڈرتا ہے۔'' گیٹو نے سوچا یہ کیا بات ہوئی؟ بھلا ایسے کیوں ہوگا؟ مگر وہ یہ سوچ کر آنکھیں بند کر کے لیٹ گیا کہ وہ اس بات کو ضرور آزمائے گا۔ پھر وہ ہاتھی کو قابو کرنے کا طریقہ سوچنے

لگا۔ جس سے وہ اپنے تمام کام کروا سکے گا۔ بازار جانا، کھانے پینے کی چیزیں لے کر آنا، گھر میں لکڑیاں جلانے کے لیے لے کر آنا، گیٹو پر بلی کے حملے سے بچاؤ، اناج کے بڑے گودام کا دروازہ کھولنا اور وہاں سے ڈھیروں اناج لے کر آنا''۔ اس طرح کے کام کروانے کے لیے اُس کو ایک نہایت طاقت ور ہاتھی کی ضرورت تھی۔ کیوں کہ یہ تمام کام صرف ہاتھی ہی کر سکتا تھا۔ گیٹو یہ خیالات سوچنے کے بعد بے چین ہو گیا۔ وہ بستر سے اُٹھا۔ سر پر ٹوپی اور آنکھوں پر سیاہ چشمہ لگا کر اپنی بل سے باہر نکل آیا۔ گیٹو نے قریبی جنگل میں جانے کا سوچا اور اُدھر چل پڑا۔ کئی گھنٹوں کی تلاش کے بعد وہ اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہو سکا۔ جنگل میں چلتے چلتے وہ جنگل کی دوسری طرف آ گیا۔ وہاں پر ایک گاؤں آباد تھا۔ جہاں سالانہ میلہ لگا ہوا تھا۔ اس موقع پر مختلف مقابلے اور کھیل منعقد ہوتے تھے۔ شہر کی مشہور سرکس اُس نے پارک میں لگی دیکھی۔ جس میں ببر شیر، بندر اور گھوڑے مختلف کرتب دکھاتے تھے۔ جوکر عجیب وغریب حرکتیں کر کے لوگوں کو خوش کر رہے تھے۔ گیٹو ابھی سرکس کا جائزہ لے رہا تھا کہ اُس کو ایک ہاتھی نظر آ گیا۔ گیٹو اُس ہاتھی کو دیکھ کر بہت خوش ہوا اور پھُرتی سے چل کر اُس کے پاس پہنچ گیا۔ ہاتھی اس وقت سرکس کے کاموں میں مصروف تھا۔ یہ ہاتھی بہت طاقت ور تھا۔ مگر وہ سر جھکائے سرکس کا کام کر رہا تھا۔ سرکس کا بھاری سامان وہ اپنی سونڈ میں پکڑ کر ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جا رہا تھا۔ ہاتھی نے سونڈ میں پکڑا پائپ ابھی زمین پر رکھا ہی تھا کہ گیٹو اُس کے سامنے اکڑ کر ٹانگیں پھیلا کر کھڑا ہو گیا۔ گیٹو نے اپنے بازوؤں کو پھیلا کر نہایت کڑک کر کہا: ''ارے ہاتھی! کیا تم جانتے ہو کہ میں کون ہوں؟'' ہاتھی نے اپنے سامنے چوہا دیکھا تو ڈر گیا اور خوف

سے بولا: ''جی۔۔۔جی۔۔۔جی۔۔۔مین نے آپ کو پہچان لیا ہے۔ آپ چوہے ہو''۔ گیٹو نے ہاتھی کی حالت دیکھ کر مزید اکڑ کر کہا: ''آج سے تم اس سرکس میں کام نہیں کرو گے بلکہ اب تم میرے لیے کام کیا کرو گے۔ میں جو کہوں گا تم کو وہی کرنا پڑے گا۔''

ہاتھی نے گیٹو کی بات سُنی تو اپنی سونڈ ماتھے پر لے جا کر بولا: ''جناب! آپ کو مجھ ناچیز سے کیا کام ہو سکتا ہے؟ میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں؟ مجھے کچھ بتائیں تو سہی؟'' گیٹو نے آنکھوں پر لگی عینک کو ٹھیک کرتے ہوئے کہا: ''تم میرے لئے اناج کے گودام کے دوراز ے کھولا کرو گے۔ میرے بل کی صفائی کیا کرنا۔ اگر کیٹو بلی مجھے پر حملہ کرنے کے لیے تاک لگائے بیٹھی ہو تو تم نے اس کو بھگانا ہو گا اور ہاں، تم میرے لیے بادام اور اخروٹ بھی توڑا کرو گے اور میرے لیے کھانے پینے کی تمام چیزیں لے کر آیا کرنا۔ میں نے بہت کتابیں خریدی ہیں۔ میں نے وہ پڑھنی ہیں۔ اگر تم نے میری بات نہ مانی تو میں تمہاری دُم پکڑ کر اپنے اوپر سے خوب گھماؤں گا' پھر تم کو کہیں دور سمندر میں پھینک دوں گا۔ تم میرے غصے کو خوب جانتے ہو''۔ گیٹو نے سر پر ٹوپی رکھی اور ہاتھی سے کہا: ''اب تمہارے لیے یہی بہتر ہے کہ تم اپنی موٹی اور بے کار سونڈ کو اُٹھاؤ اور میرے پیچھے پیچھے چلے آؤ۔ اگر تم نے کوئی چالاکی دکھائی یا مجھے دھوکہ دیا تو اُس کا انجام میں تم کو پہلے ہی بتا چکا ہوں۔ چونکہ تم بہت فرمانبردار ہاتھی ہو۔ اس لیے خاموشی سے میرے پیچھے چلتے آنا''۔ ہاتھی نے گیٹو کا دل رکھنے کے لیے خوف کا ڈرامہ رچایا تھا۔ اس لیے وہ گیٹو کا دل خوش کرنے کے لیے بولا: ''جو حکم آپ کا۔ میں آپ کو کیسے دھوکہ دے سکتا ہوں؟ آپ جو حکم دیں گے میں ویسا ہی کروں گا۔ آپ کا غصہ میں کیسے لے سکتا

ہوں؟ گیٹو نے ہاتھی کی بات سنی تو خوب ہنسا اور بولا: ''تم واقعی بہت فرمانبردار ہو۔ اب تم اپنے بھاری جسم اور سونڈ کو میرے پیچھے لے آؤ تمام کام نہایت پھرتی سے کرنا۔ مجھے کام چور اور سُست ہاتھی بالکل پسند نہیں ہیں۔ جب تم میرا کام کرلو گے تو میں خود تم کو اپنے ساتھ بیٹھا کر کھانا کھلاؤں گا اور تم کو بھی اخروٹ اور بادام دوں گا۔ مجھے گنے کا بھی پتہ ہے۔ میں تم کو اُس کا بتاؤں گا۔ جہاں جا کر تم خوب گنے کھالیا کرنا۔''

ہاتھی نے اپنی ہنسی روکتے ہوئے کہا: ''آپ بالکل فکر نہ کریں۔ میں آپ کے تمام کام کروں گا۔ اب آپ مجھے بتاؤ کہ جانا کہاں ہے؟ گیٹو نے واپسی کا راستہ اُسے دکھایا اور بولا: ''تم بس میرے پیچھے چلے آؤ۔'' گیٹو دل ہی دل میں بہت خوش ہو رہا تھا۔ اُس کو اتنی جلدی کامیابی کی امید نہیں تھی۔ وہ تو صرف تجربہ کرنا چاہتا تھا کہ کیا واقعی ہاتھی اُس سے ڈرتا ہے؟ مگر اب تو واقعی ہاتھی اُس سے ڈر کر اُس کا غلام بن چکا تھا''۔ گیٹو نے سوچا کہ اب وہ اپنے تمام کام کروانے کے لیے ہاتھی کو بولے گا۔ گیٹو اکڑ کر کبھی ہاتھی کے آگے ہو کر چلتا تو کبھی اُس کی ٹانگوں کے درمیان سے گزرتا رہا۔ کبھی وہ ہاتھی پر رعب ڈالنے کے اُسے گھور کر دیکھتا تو کبھی اُسے مسکرا کر دیکھنے لگ جاتا۔ ہاتھی اُس کی حرکتوں پر دل ہی دل میں مسکرا دیتا تھا۔ گیٹو ہاتھی کو اپنے گھر لے جا رہا تھا۔ راستے میں گیٹو کو اپنے دوست اور جاننے والے چوہے ملتے تو وہ اُنہیں دیکھ کر اپنا سینہ پُھلا لیتا اور ہاتھ ہلا کر مسکراتے ہوئے آگے بڑھ جاتا۔ کچھ دیر یونہی چلتے ہوئے اچانک ہاتھی نے دیکھا کہ چوہا اُسے نظر نہیں آ رہا۔ ہاتھی نے سوچا کہ وہ کہیں پیچھے اُس کی دُم پکڑنے کے چکر میں نہ ہو۔ اُس نے پیچھے مُڑ کر دیکھا مگر اُسے گیٹو چوہا کہیں نظر نہ آیا۔ ہاتھی

نے اِدھر اُدھر دیکھا مگر گیٹو کہیں نظر نہ آیا۔ ہاتھی نے سوچا کہ وہ کہیں تھک کر بیٹھ نہ گیا ہو۔ ہاتھی نے سونڈ اونچی کر کے آوازیں دیں۔ ''چوہے پہلوان! گیٹو جی، میرے دوست، آپ کہاں ہو ؟ آپ مجھے نظر کیوں نہیں آرہے ہے، آپ کہاں چلے گئے ہو؟'' مگر اُس کو گیٹو کی طرف سے کوئی جواب نہ ملا تو ہاتھی جس راستے سے آیا تھا اُسی راستے پر واپس چل پڑا۔ اچانک اُس کی نظر ایک درخت کے درمیان سوراخ پر پڑی، جس میں سے گیٹو کی صرف دُم اور مونچھیں نظر آرہی تھیں۔ گیٹو درخت کے درمیان بنے سوراخ میں چھپ کر بیٹھا ہوا تھا۔ اُسی درخت کی ایک شاخ پر ایک بلی داؤ لگائے بیٹھی تھی۔ چوہے نے ہاتھی کو اشارہ کیا کہ وہ بلی کو وہاں سے بھگائے مگر ہاتھی اُس کے اشارے سے انجان بنا رہا۔ ہاتھی ساری صورت حال تو سمجھ چکا تھا کہ گیٹو یہاں کیٹو بلی سے ڈر کر چُھپا ہوا ہے۔ ہاتھی کو معلوم تھا کہ گیٹو چوہا' بلی سے بہت ڈرتا ہے۔ ہاتھی اس صورت حال سے بہت خوش ہوا۔ اُس نے سوچا کہ بلی کی وجہ سے اس کی جعلی پہلوان سے جان چھوٹ گئی وہ گاؤں میں لگی سرکس کی طرف چل پڑا۔ جہاں پر اُس کے دوسرے ساتھی اُس کے یوں چلے جانے پر پریشان تھے۔ وہ تمام اُس کا انتظار کر رہے تھے۔ اُنہوں نے ہاتھی کو آتے دیکھا تو خوش ہو گئے۔ ہاتھی نے جا کر تمام واقعہ سنایا اور جانے کی وجہ بھی بتائی تو سب ہنس ہنس کر بے حال ہو گئے۔ ہاتھی نے اُن کو سارا واقعہ بتا کر خوب ہنسایا۔ اب ہاتھی نے اپنا کام دوبارہ سے شروع کر دیا اور سرکس میں اپنی ذمہ داری خوب نبھانے لگا۔

اچھے بچو!

اپنی طاقت سے زیادہ کسی پر رُعب نہیں ڈالنا چاہیے ورنہ سخت شرمندگی ہوتی ہے۔

جھوٹ سے بچو!

نور پور گاؤں قدرت کی تمام تر رعنائیوں سے سجا گاؤں تھا۔ یہاں پر رہنے والے تمام لوگ ایک دوسرے کا بہت خیال رکھتے تھے۔ خوشی ہو یا غمی تمام لوگ ہر موقع پر ایک دوسرے کی بھرپور مدد کرتے تھے۔ اسی گاؤں میں ایک چرواہا رہتا تھا۔ اس کے پاس ڈھیروں بھیڑیں اور بکریاں تھیں۔ چرواہے کا اصل نام تو اکرام تھا مگر سب گاؤں والے اُسے 'کاما' کہتے تھے۔ اکرام بہت نیک نیت اور محنتی انسان تھا۔ اس کا ایک ہی بیٹا تھا۔ جس کو خوب پڑھا کر وہ بہت بڑا آفیسر بنانا چاہتا تھا۔ مگر اعلیٰ عہدہ حاصل کرنے کے لیے بے پناہ پڑھائی اور محنت کی ضرورت ہوتی ہے۔ مگر اکرام کا بیٹا ارشد بہت کاہل اور پڑھائی سے دُور بھاگنے والا لڑکا تھا۔ روزانہ سکول سے شکایت آتی کہ ارشد جماعت میں سارا دن سویا رہتا ہے۔ اپنے ہم جماعتوں کو مارتا رہتا اور سکول بھی دیر سے آتا ہے۔ ان شکایتوں سے تنگ آ کر اکرام نے ارشد کو سکول جانے سے روک دیا اور کہا کہ وہ پڑھائی چھوڑ کر بھیڑ بکریوں کی دیکھ بھال کیا کرے۔ روزانہ اپنی بھیڑ بکریاں چرانے کے لیے لے جایا کرے۔ ارشد کو کچھ تو کرنا چاہیے۔ سارا دن کھیل کُود اور سونے کے علاوہ ارشد کچھ نہیں کرتا تھا۔

ارشد اپنے باپ کے فیصلے سے بہت خوش ہوا کہ چلو اسی بہانے پڑھائی سے جان چھوٹی۔ اب وہ روزانہ بھیڑ بکریوں کو چرانے کے لیے لے جاتا اور مغرب کی اذان ہونے سے پہلے گھر واپس آ جاتا۔ اب اکرام گھر کے کام کاج میں مصروف رہتا اور ارشد بھیڑ بکریوں کی دیکھ بھال کرنے لگ گیا تھا۔

ایک دن ارشد اپنی بھیڑ بکریوں کو پہاڑی پر چرانے لے کر گیا تو اُس کے دماغ میں ایک شرارت سُوجھی کہ ایسی شرارت کرنی چاہیے جس سے تمام گاؤں والے پریشان ہو جائیں۔ جب سب لوگ پریشان ہوں گے تو کتنا مزہ آئے گا؟ یہ خیال آتے ہی اُس نے زور زور سے رونا شروع کر دیا اور چیخنے لگا: ''بھیڑیا آ گیا' بھیڑیا آ گیا' بچاؤ مجھے بچاؤ کوئی ہے۔ کوئی میری مدد کرے بھیڑیا میری تمام بھیڑوں کو کھا جائے گا۔ ارشد کی چیخ و پکار سُن کر گاؤں کے تمام لوگ پریشان ہو گئے۔ کسی نے ڈنڈا پکڑا اور کسی نے کلہاڑ اتھاما اور کسی نے گھر میں موجود بندوق اُٹھائی اور سب مل کر ارشد کی مدد کرنے کے لیے پہاڑی کی طرف دوڑ پڑے۔ ارشد نے جب گاؤں والوں کو اپنی طرف آتے دیکھا تو خوب قہقہہ لگا کر ہنسنے لگا۔ ''دیکھا میں نے کیسے تم لوگوں کو بیوقوف بنایا ہے؟ مجھے تو مزہ آ گیا۔ تم لوگ واپس چلے جاؤ۔ بھلا میرے ہوتے ہوئے میرے جانوروں کو کون کھا سکتا ہے؟ گاؤں کے لوگ ارشد کی شرارت پر اپنا سامنہ لے کر رہ گئے اور اُس کو بُرا بھلا کہتے ہوئے گاؤں واپس چلے گئے۔ ارشد نے اُن کی بیوقوفی کا بہت مذاق اُڑایا۔

چند دن تک ارشد نے کوئی شرارت نہ کی۔ کیوں کہ اُس دن جب وہ گھر واپس پہنچا تو اُس کے والد نے اُس کی خوب پٹائی کی تھی۔ یوں چند روز ارشد اچھے بچوں کی طرح اپنے کام کرتا رہا۔ ایک روز اُس کو دوبارہ وہی شرارت کرنے کا خیال آیا۔ اس بار بھی تمام گاؤں والے ارشد کی مدد کرنے کے لیے فوراً پہنچ گئے مگر اُن لوگوں نے ارشد کو مزے سے لیٹے اور بھیڑ بکریوں کو گھاس چرتے دیکھا تو بہت غصے میں آئے۔ گاؤں کے تمام لوگ اپنا کام چھوڑ کر ارشد کی مدد کرنے کے لیے آئے تھے مگر اس بار پھر ارشد نے اُن سب کو خوب بیوقوف بنایا تھا۔ جب وہ لوگ ارشد کے پاس پہنچے تو کہیں بھی بھیڑیئے کا نام ونشان نہیں تھا۔ اب اُنھوں نے مل کر فیصلہ کیا کہ جو کچھ بھی ہو جائے وہ ارشد کی کسی بھی آواز پر نہیں آئیں گے۔ شام کو جب ارشد اپنی بھیڑ بکریوں کو گھر واپس لا رہا تھا تو سچ مچ جھاڑیوں کے پیچھے چھپے بھیڑیئے نے اُس کی بھیڑوں پر حملہ کر دیا۔ بھیڑیا پھرتی سے بھیڑوں کو کھانے لگا۔ ارشد اچانک آنے والی اس آفت سے بُری طرح گھبرایا اور مدد کے لیے خوب چیخا۔ لوگوں کے نام لے لے کر پکارا مگر اب کوئی بھی اُس کی مدد کے لیے نہ آیا۔ سب لوگ اس بار بھی ارشد کی شرارت سمجھ کر اپنے کاموں میں لگے رہے۔ ارشد اپنی بھیڑ بکریوں کو بھیڑیئے کی خوراک بنتے دیکھ رہا تھا۔ بھیڑیئے نے دیکھتے ہی دیکھتے چند لمحوں میں کئی بھیڑیں اور بکریاں کھا لیں۔

اچھے بچو! جھوٹ بول کر کسی کو بیوقوف بنانے کا بُرا انجام ہوتا ہے اس سے لوگ اعتماد کرنا چھوڑ دیتے ہیں۔

✪ ✪ ✪

چھوٹی نیکی

آج خوب گرمی تھی۔ سورج بھی اپنی بھرپور حدت کے ساتھ مشرق سے طلوع ہو رہا تھا۔ تمام پرندے اور جانور اپنے رزق کی تلاش میں نکل پڑے تھے۔ جوں جوں دھوپ بڑھ رہی تھی توں توں گرمی اور حبس میں اضافہ ہو رہا تھا، گاؤں کے باہر ایک بہت بڑا تالاب تھا۔ جس کے کناروں پر مختلف پھل دار درخت تھے۔ ان درختوں کی شاخوں میں شہد کی مکھیاں رہتی تھیں۔ جو درختوں کے پھلوں کا رس چُوس کر اپنی بھوک مٹاتی تھیں۔ ان شہد کی مکھیوں میں ایک نوری نام کی مکھی بھی تھی۔ جو دوسری مکھیوں کی طرح پھلوں کا رس نہیں چوستی تھی۔ بلکہ وہ صرف پھل کھاتی تھی۔ جب کبھی اسے پیاس لگتی تو وہ تالاب کے کنارے پر جا کر پانی پی لیتی تھی۔ تالاب کا ٹھنڈا ٹھار پانی پی کر اسے بے حد تازگی محسوس ہوتی تھی۔ ایک دن نوری تالاب کے کنارے بیٹھی پانی پی رہی تھی کہ ایک دم تیز ہوا کا جھونکا آیا۔ چونکہ صبح سے موسم گرم تھا اور ہوا بھی نہیں چل رہی تھی، اس لئے نوری نے تالاب کے پاس جاتے ہوئے اپنی گرفت زمین پر کم رکھی۔ مگر جب تیز ہوا کا جھونکا آیا تو نوری سیدھی تالاب کے پانی میں جا گری۔ بے چاری کو تیرنا بھی نہیں آتا تھا۔ اس نے بہت ہاتھ پاؤں مارے مگر وہ پانی میں مسلسل ڈوبتی جا رہی تھی۔ جب نوری کو یقین ہو گیا کہ وہ ڈوب کر مر جائے گی تو وہ خوب زور سے شور مچانے لگی۔

’’بچاؤ، بچاؤ۔ ہے کوئی جو مجھے ڈوبنے سے بچا سکے‘‘؟ تالاب کے کنارے آم کا ایک درخت تھا جس پر ایک فاختہ رہتی تھی۔ اس نے جب نوری کی چیخ و پکار سنی تو فوراً تالاب کے کنارے آ گئی۔ جب نوری نے فاختہ کو اپنے قریب دیکھا تو بولی: ’’خالہ فاختہ! مہربانی کر کے مجھے ڈوبنے سے بچا لو، میری مدد کرو۔ میں ہوں تو بہت چھوٹی سی مگر زندگی میں کبھی بھی تمہارے کام آ سکتی ہوں۔‘‘ یہ سن کر فاختہ نے ہلکا سا قہقہہ لگایا اور بولی: ’’تم اتنی چھوٹی ہو کہ تیز ہوا کے جھونکے نے تمہیں پانی میں گرا دیا، تم میری کیا مدد کر سکو گی۔ مگر چونکہ تم اس وقت مصیبت میں ہو اور مصیبت میں کسی کی مدد کرنا اللہ کریم کے نزدیک بہت بڑی نیکی ہے، اس عمل سے اللہ کریم بہت خوش ہوتا ہے۔ میں بغیر کسی لالچ کے تمہاری مدد کروں گی‘‘۔ یہ کہہ کر فاختہ نے جلدی سے درخت کا پتہ چونچ مار کر توڑا اور نوری کے پاس آ کر تالاب کے پانی پر گرا دیا۔ نوری نے پانی میں تیرتے پتے کو مضبوطی سے پکڑا اور اپنی تمام توانائی اکٹھے کرتے ہوئے پتے پر چڑھ آئی۔ یوں نوری تالاب کے پانی میں ڈوبنے سے بچ گئی۔ نوری نے اپنے حواس بحال کرتے ہوئے فاختہ کا شکریہ ادا کیا تھوڑی دیر میں ہوا پتے کو کنارے تک لے آئی۔ یوں نوری کی جان بچ گئی۔ اس واقعہ کو بہت دن گزر گئے، نوری فاختہ کی نیکی کو روزانہ یاد کرتی تھی۔ وہ کسی ایسے موقع کی تلاش میں تھی کہ جب وہ چھوٹی سی ہونے کے باوجود فاختہ کی مدد کر سکتی۔ ایک دن نوری جنگل سے گزر رہی تھی کہ اس نے دیکھا، ایک شکاری ہاتھ میں تیر کمان تھامے شکار کی تیاری کر رہا ہے۔ نوری نے جب سیدھا دیکھا تو حیران رہ گئی۔ کیونکہ سامنے درخت پہ ایک فاختہ دوسری طرف منہ کر کے بیٹھی تھی اور شکاری فاختہ کی پشت سے نشانہ لے رہا تھا۔ نوری نے فاختہ کو فوراً پہچان لیا کہ یہ تو وہی فاختہ ہے جس نے اس کی جان بچائی تھی اور نوری نے اسے

خالہ بھی کہا تھا۔ فاختہ اپنی مستی میں گم دوسری طرف منہ کئے بیٹھی تھی۔ وہ شکاری کی موجودگی سے مکمل لاعلم تھی۔ نوری نے دل میں سوچا کہ یہ ایک بہت اچھا موقع ہے کہ وہ اپنی خالہ فاختہ کے احسان کا بدلہ چکا سکے۔ اگر اس دن فاختہ اس کی جان نہ بچاتی تو وہ تالاب کے پانی میں ڈوب کر مر جاتی۔ نوری نے دور سے ہی فاختہ کو بہت آوازیں دیں مگر فاختہ قدرت کے نظارول میں مگن بیٹھی تھی۔ نوری نے بہت شور مچایا اور آواز دی: ''خالہ بی فاختہ! فوراً اُڑ جاؤ ورنہ شکاری تم کو مار ڈالے گا''۔ مگر فاختہ تو بالکل بہری ہو کر بیٹھی ہوئی تھی۔ نوری بہت گھبرا گئی کہ اب اس کی محسنہ اس کی نظروں کے سامنے شکار ہو جائے گی۔ اتنی دیر میں نوری کو خیال آیا کہ اب وہ ایک لمحے کا انتظار کئے بغیر فوراً شکاری کے ہاتھ پر کاٹ لے۔ وہ یہ خیال آتے ہی فوراً شکاری کی طرف تیزی سے اُڑی۔ شکاری خاموشی سے کمان میں تیر لگا رہا تھا اور ابھی وہ فاختہ کا نشانہ لینے ہی والا تھا کہ نوری نے فوراً اس کے ہاتھ پر زور سے کاٹ لیا۔ نوری نے اپنی پوری طاقت سے شکاری کے ہاتھ پر اپنے دانت گاڑ دیئے تھے۔ شکاری اس اچانک حملے سے بری طرح پریشان ہو گیا اور اس کا نشانہ خطا ہو گیا۔ تیر کمان سے نکل کر فاختہ کے قریب سے گزر گیا۔ فاختہ نے شکاری کی چیخ اور تیر کی آواز سن کر پیچھے دیکھا تو اصل صورتحال جان گئی۔ وہ پھرتی سے اپنی جگہ سے اٹھی اور فضا میں اُڑنے لگی اور شکاری بُری طرح چیخ رہا تھا۔ اس سے پہلے کے وہ نوری کی طرف متوجہ ہوتا، نوری نے اس کے ہاتھ کو چھوڑا اور اس جگہ سے پھرتی سے اُڑ گئی۔ نوری دل ہی دل میں بہت خوش تھی کہ اس نے آج اپنی محسنہ کی جان بچا کر اپنا فرض ادا کر دیا تھا۔

اچھے بچو! بہترین انسان وہی ہوتا ہے، جو مشکل میں کسی کے کام آئے۔

سکون کیسے ملتا؟

ملکہ عالیہ اپنے شہزادے کی جوانی اور خوب صُورتی دیکھ کر اُس کی نذریں اُتارنے لگ جاتی تھیں۔ ملکہ عالیہ ایک بہت بڑی اور عظیم سلطنت کی ملکہ تھیں۔ ملکہ عالیہ کا ایک ہی بیٹا تھا جو آنے والے وقت کا بادشاہ تھا۔ اس لیے ملکہ اپنے ولی عہد کی بہترین تربیت کررہی تھیں۔ جس کی وجہ سے علمی اور جنگی خوبیوں کے لیے خاص اُستادوں کی خدمات بھی حاصل کی گئی تھیں۔

شہزادہ وقار خود بھی ایک لمبا چوڑا، خوبصورت اور جوان تھا۔ اس کی خوبصورتی اور اخلاق سے ہر انسان متاثر ہوتا تھا۔ شہزادہ وقار ہر ایک کے ساتھ نہایت رحم دلی اور محبت سے پیش آتا تھا۔ سلطنت کی رعایا اپنے مستقبل کے بادشاہ کے حُسنِ اخلاق کی وجہ سے اُس کے لئے لمبی عمر کی دعا کرتی رہتی تھی۔ ملکہ عالیہ عمر کے اس حصے میں تھی جب انسان ذرا سا بھی زیادہ سوچ لے تو خود کو ہلکان کر لیتا ہے۔ ملکہ کو اپنی سلطنت کے ولی عہد سے بہت سی توقعات تھیں۔ وہ چاہتی تھیں کہ شہزادہ وقار اس سلطنت کو دورِ جدید کے اہم تقاضوں سے ترقی دلانے کے ساتھ اپنی روایات کو بھی برقرار رکھے۔ شہزادہ وقار فرمانبردار اولاد کی طرح اپنی والدہ کا ہر حکم مانتا تھا۔

ملکہ عالیہ نے آج جب شہزادہ وقار کو خوب آنکھیں بھر کر دیکھا تو کچھ سوچ کر مسکرادیں۔ اُنھوں نے دل میں فیصلہ کیا کہ وہ بہت جلد محل میں اپنی بہو لے آئیں گی۔

اُنھوں نے شہزادہ وقار کی رائے لینے کے لیے بات کی تو اُس نے اپنی والدہ سے کہا کہ وہ خود اپنی بہو ڈھونڈیں۔ ملکہ عالیہ چاہتی تھیں کہ جس طرح اُن کا بیٹا بہت خوبصورت اور حساس طبیعت کا ہے بالکل ویسی ہی لڑکی ڈھونڈ کر اُس کی شادی کر دیں۔ شہزادے کی شادی کی بات جب دوسری سلطنتوں کے بادشاہوں اور راجاؤں کو ملی تو اُنھوں نے فوراً اپنی بیٹیوں کے رشتے بھیج دیئے۔ مگر ملکہ عالیہ اپنے خوبصورت بیٹے جیسی نہایت فرمانبردار اور حساس بہو لانا چاہتی تھیں۔ اب تک جو بھی رشتے آئے تھے وہ شہزادہ وقار اور ملکہ عالیہ کے معیار پر پورے نہیں اُتر رہے تھے۔ جس کی وجہ سے ملکہ عالیہ نے آنے والے تمام رشتوں کو انکار کر دیا تھا۔

شہزادہ وقار کے رشتے کی خبر مختلف مُلکوں کے محلوں سے ہوتی ہوئی جب دور دراز کی سلطنتوں تک پہنچی تو اُنھوں نے بھی شہزادہ وقار سے رشتہ طے کرنے کے لیے پیغامات بھیجے۔ مگر سب کو ملکہ عالیہ کے انکار کا سامنا کرنا پڑا۔ یہ بات جب شہزادی ثناء تک پہنچی تو اُس کے والدین نے اپنی بیٹی کو ملکہ سے ملاقات کرنے کا کہا۔ شہزادی ثناء بھی بہت حسین اور سمجھدار لڑکی تھی۔ شہزادی ثناء کی دلفریب خوبصورتی اور عقلمندی کے چرچے بہت دُور تک مشہور تھے۔ جب شہزادی ثناء کے والدین نے اُسے ملکہ عالیہ کے پاس جانے کا حکم دیا تو وہ اپنے والدین کا حکم مانتے ہوئے ملکہ عالیہ کے پاس جانے کے لیے تیار ہوگئی۔ اصل میں شہزادی ثناء بھی ملکہ عالیہ اور شہزادہ وقار کا معیار جاننا چاہتی تھی کہ ملکہ عالیہ کو کس قسم کی خوبصورتی اور حساسیت والی بہو کی تلاش ہے۔ اس لیے شہزادی ثناء نے اپنے ذہن میں مختلف سوالوں کے جوابات سوچ لیے اور چند سپاہیوں کو ساتھ لے کر ملکہ عالیہ کے پاس چلی گئی۔ شہزادی ثناء نے اپنے ملک سے روانہ

ہونے سے پہلے ملکہ عالیہ کو اپنی آمد کی خبر پہنچا دی تھی۔ ملکہ عالیہ کو جب شہزادی ثناء کی خوبصورتی اور سمجھداری کا پتہ چلا اور اُس کی آمد کی خبر بھی ملی تو ملکہ عالیہ نے محل میں ایک نہایت خوبصورت کمرہ تیار کرنے کا حکم دیا اور شہزادی کا امتحان لینے کے لیے ایک ترکیب بھی سوچ لی۔

جب شہزادی ثناء محل میں پہنچی تو چھوٹی بچیوں نے اُس کی سواری پر پھول نچھاور کیے جس پر شہزادی بہت خوش ہوئی۔ ملکہ نے محل کے مرکزی دروازے پر آ کر شہزادی کا استقبال کیا اور اُس کو اُس کے لئے مخصوص کمرے میں لے آئی۔ جس کو نہایت خوبصورتی سے سجایا جا چکا تھا۔ ملکہ عالیہ نے شہزادی کی خوبصورتی دیکھ کر اُسے اپنی بہو تسلیم کرنے کا فیصلہ کر لیا مگر وہ جاننا چاہتی تھی کہ شہزادی کتنی لاڈ پیار سے رہنے والی ہے اور یہ کہ وہ کتنی حساس ہے؟ ملکہ نے پہلے سے سوچی ترکیب کے مطابق شہزادی کے پلنگ پر دو لوبیا کے دانے رکھ کر اُس پر پچیس نرم بستر رکھوا دیئے۔ جو ایک دوسرے کے اوپر رکھے ہوئے تھے۔ پلنگ پر جانے کے لیے سیڑھی رکھی ہوئی تھی۔ شہزادی نے جب پلنگ پر پچیس نرم بستر دیکھے تو حیران رہ گئی۔ مگر وہ جانتی تھی کہ یہ سب ملکہ کا معیار جاننے کا انداز ہی ہوگا۔ تعارفی کلمات کے بعد شہزادی نے کھانا کھایا اور باقی باتیں کرنے کے لیے صبح کا کہا اور پلنگ پر چلی گئی۔ شہزادی جب سونے کے لیے پلنگ پر لیٹی تو اُسے یہ نہایت نرم اور ملائم لگا مگر وہ ساری رات کروٹیں بدلتی رہی' کیوں کہ اُسے بستر پر سکون محسوس نہیں ہو رہا تھا۔ پچیس نرم بستروں کے باوجود شہزادی ساری رات بے آرام رہی اُسے ساری رات بے سکونی محسوس ہوتی رہی۔

صبح جب خادمہ ناشتہ کرنے کے لیے دعوت دینے آئی تو یہ دیکھ کر حیران رہ گئی کہ شہزادی

کی آنکھیں کم خوابی کی وجہ سے سُرخ تھیں اور اُس کے بدن پر خارش جیسے سُرخ نشانات تھے۔ خادمہ نے شہزادی کی حالت دیکھ کر ملکہ عالیہ کو بتایا' اُن کے چہرے پر اطمینان کے آثار نمایاں ہوئے اور وہ خود اُٹھ کر شہزادی ثناء کے کمرے میں آئیں اور اُسے اپنے گلے سے لگاتے ہوئے خادمہ کو مٹھائی لانے کا حکم دیا۔ شہزادی اپنے جسم پر پڑنے والے خارش جیسے نشانات سے سخت پریشان تھی۔ مگر ملکہ عالیہ نے اُسے بتایا کہ وہ امتحان میں کامیاب ہوگئی ہے۔ ملکہ نے یہ بھی بتایا کہ اُس نے جان بوجھ کر بستروں کے نیچے پلنگ پر لُوبیا کے دو دانے رکھوائے تھے۔ پچیس بستر رکھنے کے باوجود شہزادی کا بدن بے آرام رہا۔ جو اس بات کی علامت ہے کہ شہزادی واقعی بہت حساس مزاج کی مالک ہے اور وہ شہزادہ وقار کے ساتھ شادی کی حقدار بھی ہے۔

ملکہ عالیہ نے شہزادی کا علاج کرنے کے لیے شاہی حکیم کو بلایا اور بدن پر پڑنے والے نشانات کا علاج کرنے کا حکم دیا۔ شہزادی کی خوبصورتی اور حساس مزاج کا معیار جب ملکہ عالیہ نے منظور کرلیا تو شہزادہ وقار کو بھی بہت خوشی ہوئی۔ اب ملکہ عالیہ نے شہزادی ثناء کو بہت جلد اپنی بہو بنانے کا فیصلہ کرلیا۔

اچھے بچو!

خوبصورتی اور حساس مزاج اللہ تعالیٰ کا نایاب انعام ہے۔ وہ جس کو چاہے عطا کر دے۔

اصل خُوب صُورتی

جُگن ایک بہت خوبصورت بارہ سنگھا تھا۔ خوب موٹا تازہ، پھرتیلا اور جُگن اپنے بہت بڑے سینگوں پر غرور کرتا تھا۔ وہ اپنی اس خوب صورتی کو دوسرے جانوروں سے برتری سمجھتا تھا۔

ایک دن جُگن سرسبز، پہاڑیوں کے آنگن میں اُگی گھاس کو کھا رہا تھا کہ اسے پیاس محسوس ہوئی۔ ہری بھری تازہ گھاس بہت مزے کی تھی مگر شدید پیاس سے اسے اپنے گلے میں کانٹے سے چُبھتے محسوس ہونے لگے۔ مگر جُگن پھر بھی سر جُھکائے نہایت تیزی سے گھاس کھاتا رہا۔ گھاس کھا کر جب اس کا پیٹ بھر گیا تو اسے پیاس کی شدت محسوس ہوئی۔ جُگن ایک لمبی چھلانگیں لگاتا ہوا ندی کی طرف دوڑ پڑا۔ ندی کے کنارے جا کر وہ پانی پینے لگا تو اسے پانی میں اپنا عکس نظر آیا۔ یہ شدید سردی کا موسم تھا اور ندی کا پانی نہایت صاف شفاف تھا۔ جس کی وجہ سے جُگن کو اپنا عکس بہت پیارا لگا۔ جُگن نے سوچا کیا واقعی میں اتنا خوبصورت ہوں؟ میرے سر پر جو سینگوں کا تاج ہے وہ کسی اور کے پاس نہیں ہے حتیٰ کہ جنگل کا بادشاہ شیر بھی اس تاج سے محروم ہے۔ میرے سینگوں کی خوب صورتی تو قدرت کے شاہکاروں میں سے ایک

ہے۔جُگن پانی میں اپنا عکس دیکھ کر خود کو دُنیا کا خوب صورت ترین جانور سمجھ رہا تھا۔جُگن ابھی اپنے سینگوں کی تعریف کے پُل باندھ رہا تھا کہ اُس کی نظر اپنی ٹانگوں پر پڑی۔جو کہ نہایت دُبلی پتلی اور کمزور تھیں۔جُگن اپنی ٹانگوں کو دیکھ کر افسردہ ہو گیا۔حالانکہ اس کی ٹانگیں بہت کارآمد تھیں۔جب دشمن اس پر حملہ کرتا تو وہ ان ٹانگوں کی بدولت پُھرتی سے دوڑتے ہوئے اپنی جان بچانے میں کامیاب ہو جاتا تھا۔مگر آج اپنی ٹانگوں کی بدصورتی کو دیکھ کر افسردہ ہو گیا۔جُگن اپنی ٹانگوں کی بناوٹ اور رنگت کو دیکھ کر بہت غمگین تھا۔اُس نے دل جلانے والے جملوں سے اپنی ٹانگوں کی خوب بُرائی کی۔جُگن نے سوچا کسی اور جانور کے پاس بارہ سینگ نہیں ہوتے۔ہر جانور کے دو سینگ ہوتے ہیں۔شاید ہزاروں میں سے کسی ایک کے چار سینگ ہوتے ہوں گے۔یہ خصوصیت صرف اُسی میں ہے جو بارہ سینگوں کے تاج کو سر پر سجائے پھرتا ہے۔جُگن نے چند گھونٹ پانی پیا اور افسردہ سا ہو کر اپنے گھر کی طرف چل پڑا۔وہ سر جھکائے چل رہا تھا کہ اُس کو خطرہ محسوس ہوا۔جُگن نے سر اُٹھایا اور ادھر اُدھر کا جائزہ لیا اور یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ شیر اُس پر حملہ کرنے کے لیے اُس کی طرف آ رہا ہے۔جُگن نے اپنی ساری طاقت اکٹھی کی اور پُھرتی سے ایک طرف کو دوڑ پڑا۔شیر جُگن کی طرف تیزی سے بڑھ رہا تھا جُگن اپنی پتلی ٹانگوں کی تیزی اور پُھرتی سے بہت جلد شیر سے بہت دُور نکل آیا۔مگر پھر بھی اُسے خطرے کی بُو آ رہی تھی۔جُگن نے بروقت خطرہ محسوس کرتے ہوئے فوراً دوڑ لگا دی تھی ورنہ وہ اب تک شیر کی خوراک بن چکا ہوتا۔

جُگن نے خطرہ ٹل جانے پر خود کو محفوظ سمجھا اور دوبارہ اپنے سینگوں کی تعریف کرنے

لگا۔اب وہ صرف سینگوں کی نہیں بلکہ اپنی ٹانگوں کی بھی تعریف کر رہا تھا۔اب اُس کو احساس ہو چکا تھا کہ اس کی ٹانگیں فضول نہیں ہیں۔ بلکہ ان ٹانگوں کی وجہ سے وہ آج نہایت پھرتی سے دوڑا تھا۔جُگن اپنی باتوں میں مگن آگے بڑھ رہا تھا کہ اُس کے سینگ درختوں کے جُھنڈ میں پھنس گئے۔اب جُگن بہت پریشان ہوا۔وہ جتنی اپنے سینگ چھڑانے کی کوشش کرتا اُس کے سینگ مزید پھنس جاتے۔اس آفت سے جُگن بہت پریشان تھا۔وہ پہلے ہی بمشکل اپنی جان بچا کر یہاں پہنچا تھا مگر اب نئی مصیبت پڑ گئی تھی اب جُگن کو اپنے بڑے بڑے سینگوں پر نہایت غصہ آ رہا تھا۔اتنی دیر میں شیر ایک بار پھر جُگن کی طرف آ رہا تھا۔جس سے وہ بخوبی واقف تھا۔جُگن نے بہت سر ہلایا مگر اُس کے سینگ اتنی بُری حالت میں پھنس چکے تھے جن کا ابھی آزاد ہونا بہت مشکل تھا۔ابھی جُگن اس مصیبت سے جان چھڑانے کا سوچ رہا تھا کہ شیر اُس کے بہت قریب آ گیا۔جس کی وجہ سے وہ ایک بار پھر موت کے قریب پہنچ چکا تھا۔جُگن کو اندازہ ہو چکا تھا کہ اللہ کریم نے اُس کو پتلی ٹانگیں فضول نہیں دیں بلکہ ان کا بہت فائدہ ہے۔یہ ٹانگیں اُس کو تیز دوڑنے میں مدد دیتی ہیں۔اب اُس کو اپنے بناوٹی سینگوں کے ظاہری نقصان کا اندازہ ہو چکا تھا۔اب شیر جُگن کے بالکل پاس آ گیا اور اُس پر حملہ آور ہو گیا تھا۔جُگن نے اپنے سینگ چھڑوانے کی بہت کوشش کی مگر وہ ناکام رہا۔شیر نے منٹوں میں جُگن کو چیر پھاڑ دیا اور اُسے خوب مزے سے کھانے لگا۔

اچھے بچو!

بناوٹی خوبصورتی سے بہتر ظاہری بدصورتی ہے جو مصیبت میں کام آ جاتی ہے۔

کڑاہی ٹوٹتی رہی!

ظفر اور جعفر دونوں بہت گہرے دوست تھے۔ ظفر کپڑے دھونے کا کام کرتا تھا۔ اس کی محنت اور دیانت داری پورے علاقے میں مشہور تھی۔ ظفر کی بیوی اور اس کے بچے بھی بہت نیک صفت اور محنتی تھے۔ ظفر جو پیسہ کماتا اُس سے وہ اور اُس کے بیوی بچے بہت خوش تھے۔ وہ سب اللہ کریم کی رضا پر راضی تھے۔ یہی وجہ تھی ان کی آپس میں کبھی لڑائی نہیں ہوئی تھی۔ سب لوگ آپس میں اتفاق سے رہتے اور صبر و شکر سے زندگی کے دن گزار رہے تھے۔ جبکہ جعفر بہت حاسد مزاج کا آدمی تھا۔ جعفر مٹی کے برتن بناتا تھا اور اس کے بنائے ہوئے برتن بھی پورے علاقے میں بہت مشہور تھے۔ اس کے بنے برتنوں کی مضبوطی اور نفاست اس کی مہارت کا منہ بولتا ثبوت تھا۔ حالانکہ جعفر اور ظفر آپس میں گہرے دوست تھے مگر پھر بھی جعفر جب ظفر کی خوشحال زندگی دیکھتا تو جل جاتا۔ جعفر کی بیوی بہت تیز طرار اور لڑائی کرنے والی خاتون تھی۔ جعفر دن بھر جو کمائی کرتا وہ اُس سے لے لیتی اور پھر بھی تنگدستی کا رونا روتی رہتی تھی۔ جعفر اور ظفر دونوں پڑوسی بھی تھے۔ اس لیے دونوں ایک دوسرے کے گھریلو حالات سے بخوبی واقف تھے۔ مگر جعفر ہر روز کے لڑائی جھگڑے سے بہت تنگ تھا۔ وہ حیران بھی تھا

ظفر کے گھر سے کبھی جھگڑے کی آواز نہیں آئی۔ دونوں میاں بیوی اور اس کے بچے بہت مطمئن نظر آتے ہیں۔ یہ سب کیسے ہوتا ہے؟ یہ سب باتیں سوچ کر جعفر کو ایک شرارت سُوجھی۔ اُس نے ظفر کو تنگ کرنے کے لیے جو شرارت سوچی تھی اُس پر عمل کرنے کے لیے وہ بادشاہ کے دربار پہنچ گیا۔

بادشاہ دربار میں بیٹھا اپنے وزیروں سے خوش گپیوں میں مصروف تھا۔ جعفر نے دربار میں حاضر ہونے کی اجازت مانگی اور بولنے کی اجازت چاہی۔ بادشاہ نے سوچا: ''جعفر کوئی فریاد لے کر آیا ہوگا۔ اس لیے اُس نے ہاتھ بلند کر کے اُسے بولنے کی اجازت دی تو وہ بولا: ''بادشاہ سلامت! آپ کا اقبال بلند ہو، آپ کے ہوتے ہوئے ہمیں کوئی تنگدستی نہیں ہے۔ اللہ کریم آپ کا سایہ ہم پر سلامت رکھے۔ میرا دوست ظفر بہت اعلیٰ درجے کا دھوبی ہے۔ وہ ہر کپڑا اتنی نفاست اور دل سے دھوتا ہے کہ ہر کپڑا نیا لگنے لگتا ہے۔ اللہ کریم نے اُس کے ہاتھوں میں ایسی نفاست دی ہے کہ جادو لگتا ہے۔ میں آپ کو بتانے آیا ہوں کہ ظفر نہ صرف کپڑے بلکہ ہر چیز دھو سکتا ہے۔ کل جب آپ شہر سے گزر رہے تھے تو میں نے دیکھا کہ کچھ لوگ آپ کے ہاتھی کو دیکھ کر مسکرر ہے تھے۔ کیوں کہ وہ بہت گندا ہو چکا تھا۔ مٹی تو اُس پر یوں جمی ہوئی تھی جیسے وہ کبھی نہلایا نہ گیا ہو۔ ہاتھی کا رکھوالا ضرور لاپرواہی کرتا ہوگا۔ میں تو کہتا ہوں آپ ظفر سے اپنا ہاتھی دھلوائیں۔ وہ ہاتھی کو نہلا کر ایسا کر دے گا جیسے وہ کبھی میلا نہیں ہوا ہوگا۔ ''بادشاہ نے جعفر کی بات سُنی تو اُسے جعفر کی تجویز بہت پسند آئی۔ اُس نے جعفر کا شکریہ ادا کیا

اور اشرفیوں کی تھیلی اُسے انعام میں دے کر بھیج دیا۔ اب بادشاہ نے اپنے درباری کو ظفر کے پاس بھیج دیا اور اگلے دن صبح محل میں بلالیا۔ جب صبح ظفر بادشاہ کے محل پہنچا تو بادشاہ اُسے دیکھ کر بولا: ”میں نے سنا ہے تم بہت کام کے آدمی ہو۔ کپڑے تو تم بہت محنت سے دھوتے ہو۔ میں تمہارے کام اور محنت سے اتنا متاثر ہوا ہوں کہ تم سے اپنا قیمتی ہاتھی نہلوانے کا سوچا ہے۔ اب تم میرا ہاتھی لے جاؤ اور اس کو اچھی طرح نہلاؤ بلکہ دھو ڈالو۔ تاکہ وہ صاف ستھرا بھی ہو جائے۔“ ظفر ہاتھی کو نہلانے پر آمادہ ہو گیا۔ اب ظفر نے سوچا یہ ساری شرارت جعفر کی لگتی ہے۔ کیونکہ کل وہ اپنی دکان پر نہیں آیا تھا۔ جب میں نے اُس کی بیوی سے پوچھا تو اُس نے بتایا بادشاہ نے بلوایا تھا۔ اب ظفر بادشاہ کو انکار نہیں کر سکتا تھا۔ اس لیے وہ مجبوراً شاہی ہاتھی کو اپنے گھر لے آیا۔ گھر آ کر ظفر نے اپنی بیوی کو ساری بات بتائی اور اس آفت سے نبٹنے کا سوچنے لگے۔ دونوں میاں بیوی سنجیدگی سے اس مسئلے کا حل کرنے کے لیے کوئی ترکیب سوچنے لگے۔ آخر رات کے آخری پہر اُنھوں نے اس مسئلے کا حل سوچ لیا اور سو گئے۔ صبح سویرے اُٹھ کر ظفر بادشاہ کے محل پہنچا اور عرض کی: ”بادشاہ سلامت! میں شاہی ہاتھی کو نہلا کر دودھ کی طرح سفید کر سکتا ہوں مگر اس کے لیے مجھے ایک بڑے برتن کی ضرورت ہے۔ اگر میں نے ہاتھی کو ٹھنڈے پانی سے نہلایا تو وہ بیمار بھی ہو سکتا ہے۔ اس لیے پانی اُبالنے کے لیے مجھے بڑے برتن کی ضرورت ہے۔ آپ جعفر کے ہُنر اور مہارت سے واقف ہی ہوں گے۔ اُس کے بنے برتن پورے علاقے میں مشہور ہیں اس میں کوئی شک نہیں جعفر بہت اچھا کاری گر ہے۔ وہ اس

مقصد کے لیے بڑی کڑاہی بنا سکتا ہے۔آپ مجھے جلد از جلد بڑی کڑاہی بنوا دیں۔“

بادشاہ نے جعفر کو محل میں بلوایا اور بڑی سی کڑاہی بنانے کا حکم دے دیا۔کڑاہی بھی اتنی بڑی جس میں ہاتھی کے لیے پانی اُبالا جا سکے اور ہاتھی کو کڑاہی میں بٹھا کر اچھی طرح دھویا بھی جا سکے۔بادشاہ کے حکم کے مطابق جعفر ایک بڑی کڑاہی بنا کر بادشاہ کے پاس لے آیا۔ظفر ہاتھی کو کڑاہی میں کھڑا کرنے لگا تو ہاتھی نے جیسے ہی کڑاہی میں پاؤں رکھا تو وہ ٹوٹ گئی۔ بادشاہ نے کڑاہی ٹوٹتی دیکھی تو غصہ میں آ گیا اور اُس نے جعفر کو حکم دیا کہ وہ کل بہت مضبوط کڑاہی بنا کر لائے۔جب اگلے دن جعفر کڑاہی لایا اور ہاتھی نے اُس میں پاؤں رکھا ہی تھا کہ وہ بھی ٹوٹ گئی۔بادشاہ کو پھر شدید غصہ آ گیا۔اُس نے جعفر سے کہا:”اب دوبارہ کڑاہی ٹوٹ گئی ہے۔میں تم کو معاف کرتا ہوں۔اگر تم نے کل مضبوط کڑاہی نہ بنائی تو میں تم کو قید کر دوں گا۔جعفر اس مصیبت سے بہت گھبرایا۔اُس نے تو ظفر کی خوش حال زندگی سے حسد کرتے ہوئے یہ شرارت کی تھی مگر اب تو اُس کی شرارت اُسی کے گلے پڑ چکی تھی۔

اگلے دن جعفر نے بہت اچھی مٹی سے کڑاہی بنائی اور خوب محنت سے تیار کر کے لے آیا۔مگر جب ہاتھی نے اس میں پاؤں رکھا تو کڑاہی دوبارہ ٹوٹ گئی۔بادشاہ تو غصے میں لال پیلا ہو گیا۔اُس کے چہرے سے آگ برسنے لگی۔اُس نے سپاہیوں کو حکم دیا کہ وہ جعفر کو گرفتار کر کے فوراً قید کر دیں۔ظفر نے دوستی کے ناطے جعفر کو دوبارہ کڑاہی بنانے کی سفارش کی مگر بادشاہ تو آگ بگولہ تھا۔اُس نے کہا:”جعفر کی نیت خراب ہے۔یہ نہیں چاہتا میرا ہاتھی سفید ہو

جائے۔لوگ میرا مذاق اُڑاتے رہیں۔اس کی سزا یہی ہے اس کو قید میں رکھا جائے جب تک یہ مضبوط کڑاہی نہیں بنائے گا تب تک یہ جیل میں رہے گا۔ظفر تم اپنے کام میں مصروف ہو جاؤ جب یہ بڑی مضبوط کڑاہی بنائے گا تو میں تم کو بلوالوں گا۔تب تک تمہیں آزادی ہے۔''

ظفر نے بادشاہ کا شکریہ ادا کیا اور گھر کی طرف چل پڑا۔ جہاں اُس کے بیوی بچے اُس کی سلامتی کے لیے سجدہ ریز ہو کر دعا گو تھے۔

اچھے بچو!

حسد کا انجام ہمیشہ بُرا ہوتا ہے۔ہمیشہ حسد سے بچنا چاہیے۔

✪ ✪ ✪

کوا چلا عقاب کی چال

صبح کے وقت تمام پرندے خوراک کی تلاش میں نکل پڑے تھے۔ آج تو سورج بھی اپنے مکمل جوبن پر تھا۔ دن نکلتے ہی حبس اور گرمی نے تمام جان داروں کو پریشان کر دیا تھا۔ مگر پھر بھی تمام پرندے خوراک کی تلاش میں نکل آئے تھے۔ پیپل کے درخت پر ایک کوا اپنی ماں کے ساتھ رہتا تھا۔ کوا سو کر یا شور مچا کر سارا دن گزار لیتا۔ ایک دن کوا ساتھ والے درخت پر بیٹھا کائیں، کائیں، کائیں کر کے شور مچا رہا تھا۔ کوے کی ماں نے اُسے آج دیر تک سونے کی وجہ سے خوب ڈانٹا تھا۔

ڈانٹ کھانے کے بعد کوا کچھ کھائے بغیر ساتھ والے درخت پر آ کر بیٹھ گیا تھا۔ خوب کائیں، کائیں، کائیں کرنے کے بعد کوے کو بھوک لگ گئی تھی۔ اب تو بے چارا بھوک کی شدت سے بے ہوش ہونے والا ہو گیا تھا۔ جس درخت پر کوا بیٹھا شور مچا رہا تھا اُس درخت کے نیچے چند بھیڑیں گھاس کھا رہی تھیں۔ تمام بھیڑیں آس پاس سے بے خبر اپنے دھیان میں ہری بھری گھاس چر رہی تھیں۔ ان بھیڑوں کے ساتھ اُن کے چھوٹے بچے بھی تھے۔ جو اپنی ماؤں کے پیچھے پیچھے دوڑ لگا رہے تھے۔ اتنی دیر میں آسماں سے ایک بہت بڑا عقاب تیزی سے

نیچے آیا اور وہ نیچے آتے ہی بھیڑ کے ایک چھوٹے بچے پر جھپٹا اور اُسے اپنے پنجوں میں اُٹھا کر اُڑ گیا۔ بھیڑوں نے عقاب کے اس اچانک حملے اور بچے کے اغوا پر خوب شور مچایا۔ بچے کی ماں تو صدمے سے بے ہوش ہو کر گر پڑی۔ باقی بھیڑوں نے اس ظلم پر شکایت درج کروانے کا فیصلہ کیا۔

عقاب کے حملے کے بعد کوا اپنے دل میں سوچنے لگا: "یہ عقاب بھی میرے جیسا پرندہ ہے۔ مگر اُس نے معصوم بچے کا اغوا کر کے بہت بُرا کیا ہے۔ لیکن اس کے بعد کوے نے سوچا کہ عقاب اگر اس طرح حملہ نہ کیا کرے تو وہ بھوک سے مر جائے۔ یہ قدرت کا نظام ہے۔ عقاب بھیڑ کے بچے کو کئی بار کھائے گا اور خوب مزے سے سوئے گا۔ اب عقاب کو اپنی خوراک کی فکر نہیں رہے گی۔ وہ جب چاہے اُٹھے گا اور جو دل میں آئے گا وہ کرے گا۔ ایک میں ہوں کہ صبح سے بھوکا بیٹھا شور مچا رہا ہوں۔ ماں کو بھی مجھ پر ترس نہیں آیا۔"

یہ سوچتے ہوئے کوے نے سوچا: "عقاب اور مجھ میں کوئی فرق نہیں ہے۔ عقاب کے دو پَر ہیں اور میرے بھی دو ہیں۔ عقاب پُھرتی سے اُڑ سکتا ہے اور میں بھی تیز اُڑ سکتا ہوں۔ اگر عقاب بھیڑ کا بچہ اُٹھا کر اپنی بھوک ختم کر سکتا ہے تو میں بھی ایسا کر سکتا ہوں۔ میں بھی ایک پرندہ ہوں۔ اگر دیکھا جائے تو میں عقاب سے زیادہ طاقت ور ہوں۔ اگر عقاب بھیڑ کے بچے کو اُٹھا کر اُڑ سکتا ہے تو میں بھی بھیڑ کو اُٹھا کر اُڑ سکتا ہوں۔"

یہ سوچ کر کوا درخت سے نیچے اُترا اور بھیڑوں کے غول میں سب سے موٹی بھیڑ پر جا کر بیٹھ گیا۔ بھیڑ مزے سے گھاس چَر رہی تھی۔ کوے نے اپنے پنجوں کو بھیڑ کے بالوں میں

پھنسایا اور اپنی پوری طاقت کو اکٹھا کر کے بھیڑ کو اُوپر اُٹھانے کے لیے زور لگانے لگا۔ مگر بھیڑ تو بہت بھاری تھی۔ بھلا کوا اتنی وزنی بھیڑ کو کیسے اُٹھا سکتا تھا؟ بھیڑ کے غول کے پاس ہی اس بھیڑ کا مالک چرواہا درخت کی چھاؤں کے نیچے بیٹھا ہوا تھا۔ اُس نے جب کوے کو بھیڑ کی کمر پر بیٹھے دیکھا تو فوراً اپنی جگہ سے اُٹھا اور ہاتھ میں ڈنڈا پکڑ کر کوے کو مارنے کے لیے بھاگا۔ کوے نے چرواہے کو اپنی طرف آتے دیکھا تو اُڑنے کی کوشش کرنے لگا مگر اُس کی کوشش ناکام ہوگئی تھی۔ کیوں کہ کوے کے پنجے بھیڑ کی گھنگھریالی اُون میں بُری طرح پھنس چکے تھے۔ کوے نے اپنے پنجے اُون میں سے نکالنے کی کئی بار کوشش کی۔ اپنی ماں کو آوازیں دیں مگر وہ بھی خوراک کی تلاش میں کہیں جا چکی تھی۔ چرواہے نے آتے ہی اپنے ڈنڈے کو ہوا میں لہرایا کہ کوا اُڑ جائے مگر کوا بے چارا بُری طرح پھنس چکا تھا۔ اب چرواہا کوے کے بالکل پاس آچکا تھا۔ اُس نے ڈنڈے کی بھرپور ضرب کوے کے سر پر لگائی۔ کوا اتنی خطرناک چوٹ کھا کر بے ہوش ہوگیا۔ چرواہے نے اُسے مرا ہوا سمجھ کر درخت کے پاس پھینک دیا اور اپنی بھیڑ کو آگے لے کر چل پڑا۔ خاصی دیر کے بعد کوے کو ہوش تو آ گیا لیکن ساتھ ساتھ کوے کو اپنی طاقت کا بخوبی اندازہ ہو چکا تھا۔

اچھے بچو!

اپنی قوت کے مطابق کام کرنا چاہیے ورنہ بے وقوف کوے جیسا انجام ہوتا ہے۔

✪ ✪ ✪

نیک نیتی

شہر سے بہت دور شاہ پور نامی گاؤں میں نادیہ نام کی لڑکی رہتی تھی۔ نادیہ اپنی امیّ کے ساتھ رہتی تھی۔ اس کے ابو کسی پراسرار بیماری کی وجہ سے فوت ہو چکے تھے۔ اُس وقت نادیہ بہت چھوٹی تھی۔ اس کی امیّ دن رات کپڑے سلائی کرتی اور گاؤں کے چودھری کی حویلی میں کام کر کے اپنے اور بیٹی کے لیے کھانے پینے کا انتظام کر لیتی تھی۔ نادیہ وقت گزرنے ساتھ جب بڑی ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے اُس کو خوب رُوپ دیا۔ سنہری بال، گول مٹول آنکھیں اور لہجے میں خلوص ہونے کی وجہ سے گاؤں کی تمام لڑکیاں اس کے ساتھ دوستی کرنا چاہتی تھیں۔ نادیہ بہت خیال رکھنے والی بچی تھی۔ غریب ہونے کے باوجود اپنی سہیلیوں کی خوب خدمت کرتی تھی۔ نادیہ اپنی امیّ کے کاموں میں اُن کی بھر پور مدد کرتی تھی۔ نادیہ کی ماں کبھی کبھار سوچتی کہ ان کی ساری زندگی غربت میں گزر گئی ہے۔ کبھی کوئی اچھا وقت ان پر نہیں آیا۔ ان کے حالات کبھی اتنے خراب ہو جاتے کہ ان کے پاس کھانے کے لیے کچھ نہ ہوتا۔ دونوں ماں بیٹی صبر سے بھوکی سو جاتیں۔ نادیہ کی ماں خود بھوکی رہ کر اپنی بیٹی کو تھوڑا بہت کھانا لا دیتی مگر نادیہ اپنی ماں کی گرتی ہوئی صحت سے اندازہ لگا لیتی کہ اُس کی ماں نے آج کھانا نہیں کھایا۔ نادیہ کی ماں غربت سے بہت پریشان رہتی تھی۔

ایک دن نادیہ کو بہت زور کی بھوک لگی۔ مگر گھر میں کھانے کے لیے کچھ نہیں تھا۔ نادیہ نے الماری سے جھانک کر دیکھا، آٹے والے ڈرم کا ڈھکن اُٹھا کر دیکھا کہ شاید کھانے کے لیے کچھ مل جائے مگر آج تو گھر میں کچھ بھی نہیں تھا۔ نادیہ کا بھوک کی شدت سے بُرا حال ہو رہا تھا۔ نادیہ نے اپنی امی سے کہا امی جان! مجھے بہت بھوک لگی ہے۔ میں نے رات کو کھانا نہیں کھایا تھا۔ اب میں کیا کروں؟ نادیہ کی امی نے پوچھا بیٹی میں نے تمہیں رات کو کھانا لا کر دیا تھا۔ وہ کہاں گیا؟ نادیہ نے نظریں جھکا کر کہا: ''امی جان! اصل میں جب آپ کھانا دے کر ساتھ والی خالہ کی طرف چلی گئی تھیں تو دروازے پر ایک بھوکا کتا آ گیا تھا۔ وہ بھوک سے بہت چیخ رہا تھا۔ میں نے اپنی بھوک بھول کر روٹی اُسے ڈال دی۔ کتا بہت بھوکا تھا۔ وہ منٹوں میں دونوں روٹیاں کھا گیا۔'' نادیہ کی امی کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور اُس نے آگے بڑھ کر بیٹی کو اپنے سینے سے لگایا اور خوب پیار کیا۔ نادیہ کی امی نے اُسے کہا، بیٹی، تم کو اس نیکی کا ضرور صلہ ملے گا۔ اب تم یوں کرو کہ یہ تھیلا پکڑو اور شاہ پور سے باہر جاتے ہوئے آم کا باغ ہے' اُس کا رکھوالا بہت نیک انسان ہے' تم اُس کو اپنی بھوک کا بتانا وہ تم کو لازمی آم دے گا۔ اگر وہاں بیٹھ کر کھانے ہوں تو کھا لینا ورنہ گھر لے آنا۔ ہم دونوں کھا لیں گے' میں کل دوپہر سے بھوکی ہوں۔ نادیہ نے تھیلا پکڑا اور شاہ پور گاؤں سے باہر جانے والے راستے کی طرف چل پڑی' بھوک کی وجہ سے اُس کا بُرا حال تھا مگر مزے دار آم کھانے کا سوچ کر وہ تیز تیز قدم اُٹھا کر چلتی رہی۔ ابھی وہ آدھا سفر طے کر پائی تھی کہ اُسے ایک بوڑھی عورت ملی جو بہت کمزور تھی۔ ہاتھ

میں لاٹھی پکڑ کر اُس کے سہارے چل رہی تھی۔ بوڑھی عورت کے ہاتھ میں کپڑے میں بندھا کوئی برتن تھا۔ جو وہ کبھی سر پر رکھتی اور کبھی کمر پر رکھ کر چلنے لگتی۔ نادیہ نے بوڑھی عورت کی پریشانی دیکھی تو رُک گئی اور اُس برتن کو پکڑ کر بوڑھی عورت کے ساتھ چل پڑی۔ بوڑھی عورت نے نادیہ کے چہرے کی طرف دیکھا اور اُس کا ہاتھ پکڑ کر رُک گئی اور اُس کے پوچھا: ''بیٹی! تم پریشان لگتی ہو؟ تمہاری اُداسی کی وجہ کیا ہے؟'' نادیہ نے آنکھوں میں آنسو لاتے ہوئے کہا: ''اماں جی! میرے گھر میں کئی دنوں سے فاقے ہیں۔ ہم نے کبھی پیٹ بھر کر کھانا نہیں کھایا۔ میں اپنی بوڑھی ماں کے ساتھ رہتی ہوں۔ میں گاؤں سے باہر آم کے باغ سے آم لینے جارہی ہوں تاکہ بھوک مٹا سکوں؟''

بوڑھی عورت نے نادیہ کے سر پر ہاتھ پھیرا اور ماتھے پر پیار کرتے ہوئے کہا: ''بیٹی! تم بہت نیک بچی ہو۔ میں تم کو ایک ایسا برتن دوں گی۔ جس میں تم جو کچھ بھی بہت کم ڈال کر پکاؤ گی وہ بہت زیادہ ہو جائیگا اور خود بخود پک جائے گا۔ جب تم کہو گی رُک جاؤ تو کھانا پکنا بند ہو جائے گا۔ تم روزانہ ایک دانہ چیز بھی اس میں ڈال کر پکاؤ گی تو وہ پک کر دیگچی بھر دے گا۔ تم خود بھی کھانا کھانا اپنی ماں کو بھی کھلانا اور گاؤں کے دوسرے غریب لوگوں کو بھی کھلانا۔ اللہ کریم تمہاری مدد کرگا۔'' یہ کہہ کر بوڑھی عورت نے کپڑے کی گرہ کھولی اور ایک سنہری رنگ کی دیگچی نادیہ کو دے دی۔ دیگچی لے کر نادیہ نے بوڑھی عورت کا شکریہ ادا کیا اور واپس اپنے گھر کی طرف چل پڑی۔ گھر پہنچ کر نادیہ نے اپنی امیّ کو سارا واقعہ سنایا اور دیگچی کو چولہے کر پر رکھ

دیا۔نادیہ کی امیّ نے چنے کی دال کا ایک دانہ دیگچی میں ڈالا اور پانی کا ایک گلاس ڈال کر دیگچی پر ڈھکن رکھ دیا۔نادیہ نے دیگچی کے پاس ہو کر کہا: ''پک جا۔'' تھوڑی دیر میں دیگچی سے دھواں نکلنا شروع ہو گیا۔جب دیگچی سے سالن باہر نکلنے والا ہو گیا تو نادیہ نے کہا: ''رُک جا۔'' تو دیگچی پکنا بند ہو گئی۔نادیہ کی امیّ نے دیگچی کا ڈھکن اُٹھایا تو بہت خوش بودار اور مزیدار دال کا سالن تیار تھا۔دونوں ماں بیٹی نے جی بھر کر دال کھائی اور خوش ہو کر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔اس دن کے بعد دونوں ماں بیٹی کبھی بھوکی نہیں سوئی تھیں۔تمام گاؤں والے بھی حیران تھے کہ ان ماں بیٹی کو اللہ کریم نے کسی نیکی کا صلہ دیا ہے۔ایک دن نادیہ اپنی سہیلیوں کے ساتھ مکئی کے کھیت میں کھیلنے گئی تو وہ اپنی سہیلیوں کے ساتھ آنکھ مچولی کھیلنے میں ایسی مگن ہوئی کہ دوپہر کے کھانا کھانے کا یاد نہ رہا۔گھر میں اُس کی امیّ نے سوچا کہ آج وہ خود ہی کھانا پکا لیتی ہے۔نادیہ جب واپس آئے گی تو اُس کو بھوک لگی ہوگی۔نادیہ کی امیّ نے دیگچی کو چولہے پر رکھا اور گوشت کا ایک ٹکڑا اُس میں رکھ کر پانی ڈال دیا اور بولی: ''پک جا۔'' دیگچی نے کھانا کھانا پکانا شروع کر دیا۔نادیہ کی امیّ اس دوران گھر کی صفائی کرنے لگ گئی۔جب کھانا پک کر دیگچی سے باہر اُبلنے لگا تو وہ بھاگتی ہوئی دیگچی کے پاس گئی مگر وہ تو دیگچی کو پکنے سے روکنے والا لفظ بھول چکی تھی۔دیگچی سے کھانا باہر اُبلنے لگ گیا تھا۔نادیہ کی امیّ نے بہت سوچا کہ کھانا پکنے سے روکنے والا لفظ یاد آ جائے مگر۔۔اُن کو یاد نہ آیا۔اب یہ ہوا کہ کھانا پک پک کر دیگچی سے باہر نکلنے لگا تھا۔پورے گھر میں زمین پر کھانا بہہ رہا تھا۔جو آہستہ آہستہ گھر سے باہر بھی جا رہا تھا۔نادیہ کی

امیّ چارپائی پر چڑھ کر اس صورت حال سے پریشان بیٹھی تھی۔ کھانا پکتا رہا اور وہ آہستہ آہستہ گاؤں کے پورے گلی محلوں میں بکھر گیا۔ پھر یہ کھانا لوگوں کے گھروں میں جانے لگا۔ یہ منظر بڑا خوب صورت لگ رہا تھا۔ گاؤں کے اکثر لوگ بھی غریب تھے۔ انہوں نے جب گلیوں میں کھانا دیکھا تو وہ گھر سے برتن اُٹھا کر لے آئے اور انہیں کھانے سے بھرنے لگے۔ جب نادیہ گھر واپس آئی تو صورت حال دیکھ کر سارا معاملہ سمجھ گئی۔ اُس نے جلدی سے جا کر گھر میں پکنے والی دیگچی کو دیکھا تو کہا: ''رُک جا۔'' دیگچی پکنے سے فوراً رُک گئی مگر اس دوران گاؤں کے تمام لوگ خوب جی بھر کر کھانا کھا چکے تھے۔ انہوں نے پریشان ہو کر نادیہ سے سارا ماجرا پوچھا تو اُس نے ہنستے ہوئے سارا واقعہ سنا دیا۔ گاؤں کے لوگوں نے خوش ہو کر نادیہ کا شکریہ ادا کیا اور کہا کہ یہ آپ ماں بیٹی کی صاف نیت اور نیک برتاؤ کی وجہ سے ہوا ہے۔ یہ دیگچی اللہ کریم کی طرف سے آپ لوگوں کے لیے تحفہ ہے۔ یقیناً کوئی نیکی رائیگاں نہیں جاتی۔

اچھے بچو!

بھوکے کو کھانا کھلانے سے اللہ کریم بے حساب رزق عطا کرتا ہے۔

✪ ✪ ✪

کیا یہی انصاف ہے؟

آج لومڑی کو بہت بھوک لگی ہوئی تھی۔ بھوک کی شدت سے اُس کی آنکھیں چہرے میں دھنسی ہوئی تھیں۔ بالکل دُبلی، پتلی سی لومڑی تو آج مزید سُوکھ کر کانٹا ہو چکی تھی۔ جنگل کا نظام ہی کچھ ایسا ہو چکا تھا کہ ہفتے کے چار دن پیٹ بھر کر کھایا اور باقی تین دن فاقہ کیا۔ تمام پرندے اور جانور اس صورتِ حال سے پریشان تھے۔ لومڑی شکار کی تلاش میں جنگل کی حدود سے باہر آ گئی مگر اُسے بھوک مٹانے کے لیے کوئی شکار نہ ملا۔ وہ شکار کی تلاش میں قریبی گاؤں کی طرف چل پڑی۔ تھوڑا سا فاصلہ طے کرنے کے بعد لومڑی نے بھیڑ بکریوں کا ایک گروہ دیکھا جو مزے سے گھاس کھا رہا تھا۔ ان بھیڑ بکریوں کا رکھوالا پیپل کے درخت تلے نیند کے مزے لے رہا تھا۔ رکھوالا نیند میں اس قدر ڈوبا ہوا تھا کہ اُسے اپنی بھیڑ بکریوں کی فکر نہ تھی۔ ہری بھری گھاس دیکھ کر تمام بھیڑ بکریاں جلدی جلدی گھاس کھا رہی تھیں۔ ان کے ساتھ ننھے منے بچے بھی تھے۔ جو کبھی گھاس کھانے لگ جاتے تو کبھی ادھر اُدھر چھلانگیں لگانے لگ جاتے۔ بچپن کی عمر تو ویسے بھی شاہی عمر ہوتی ہے۔ کھا لیا، پی لیا اور سو لیا... بس۔

لومڑی نے جب بھیڑ اور بکریوں کو دیکھا تو خوشی سے پھول کر کُپا ہو گئی۔ لومڑی نے خود

کو فوراً قریبی جھاڑیوں میں چُھپا لیا اور شکار حاصل کرنے کی ترکیب سوچنے لگی۔ لومڑی تو ویسے بھی چالاک اور مکّار مشہور ہے مگر اس وقت لومڑی کو واقعی چالا کی اور مکاری کی ضرورت تھی۔ جس کو اپناتے ہوئے وہ اپنی بھوک مٹا سکتی۔ لومڑی نے خود کو جھاڑیوں میں اچھی طرح چھپا رکھا تھا۔ لومڑی نے بھیڑ اور بکریوں پر حملہ کرنے کا سوچا مگر اُسے جلد ہی اپنا فیصلہ تبدیل کرنا پڑا۔ کیوں کہ بکری کا ایک بچہ اپنے گروہ سے الگ ہو کر گھاس کھاتے ہوئے لومڑی کی طرف بڑھ رہا تھا۔ وہ معصوم بچہ گھاس کھانے میں اتنا مگن تھا کہ اُسے محسوس ہی نہ ہوا کہ وہ اپنے گروہ سے الگ ہو کر موت کے منہ میں جا رہا ہے۔ بچہ گھاس چرتے ہوئے جھاڑیوں کے بالکل قریب پہنچ چکا تھا۔ جہاں لومڑی چُھپی ہوئی تھی۔ لومڑی نے شکار کو اپنے بہت قریب دیکھا تو کوئی بھی لمحہ کو ضائع کیے بغیر اُس معصوم پر حملہ کر دیا۔ بکری کا بچہ اس طرح اچانک حملے سے بُری طرح بوکھلا گیا مگر لومڑی کی مضبوط گرفت اور حملے نے اُس کی آواز تک نہ نکلنے دی۔ لومڑی نے بکری کا بچہ اپنے دانتوں میں دبایا اور فوراً وہاں سے بھاگ نکلی۔ لومڑی اس شکار کو کسی پُرسکون اور تنہا جگہ پر کھانا چاہتی تھی۔ تاکہ کوئی اور آ کر اُس کا مزہ خراب نہ کر دے۔ مگر آج لومڑی کے ساتھ ہر بار کچھ ہو رہا تھا۔ لومڑی بکری کا بچہ منہ میں دبائے اپنے گھر جا رہی تھی کہ اُسے شیر مل گیا۔ جو خود بھی بہت بھوکا تھا اور وہ بھی شکار کی تلاش میں گھوم پھر رہا تھا۔ شیر نے لومڑی کے منہ میں بکری کا بچہ دیکھا تو غصہ سے دھاڑا اور لومڑی کو فوراً رُکنے کو کہا۔ لومڑی خود بھوکی تھی مگر اس وقت اگر وہ نہ رُکتی تو شیر نے اُس کو بکری کے بچے سمیت قید کر لینا تھا۔ اس

لیے وہ شیر کا حکم مانتے ہوئے فوراً رک گئی۔ شیر نے آگے بڑھ کر لومڑی کے شکنجے سے بکری کا بچہ چُھڑ والیا۔ اب لومڑی ایک بار پھر شکار سے محروم ہو چکی تھی۔ لومڑی اُس وقت بالکل بے بس تھی۔ اگر شیر کی جگہ کوئی اور جانور ہوتا تو وہ رکنے کا حکم نہ مانتی۔ اب چونکہ شیر کا حکم تھا۔ اس لیے وہ بغیر کوئی شکایت کیے رُک گئی تھی۔ شیر نے بکری کا بچہ اپنے جبڑے میں دبایا اور خوب صورت گھر کی طرح بنی غار کی طرف چل پڑا۔

چونکہ شیر اس شکار کو خوب مزے سے کھانا چاہتا تھا اور اُس کو لومڑی سے شکار چھین کر بہت لُطف ملا تھا' اس لیے شیر اپنے کچھار کی طرف چل پڑا۔ ابھی وہ چند قدم آگے بڑھا تھا کہ لومڑی نے غصے سے شیر کی طرف دیکھا اور منہ ہی منہ میں بڑ بڑائی۔ ''یہ سراسر زیادتی ہے دن دیہاڑے زور آوری سے ڈاکہ ڈالا گیا ہے، میں اس وقت بہت بھوکی ہوں اور میں نے اپنی عقل مندی سے یہ شکار حاصل کیا تھا۔ مگر شیر جی آپ نے اپنی بھوک مٹانے کے لیے میرے شکار پر ڈاکہ ڈالا ہے۔ یہ واقعی بہت غیر اخلاقی اور بے انصافی کی بات ہے۔ یہاں پر واقعی جنگل کا قانون نافذ ہے۔ شیر جی آپ نے اپنی بادشاہت اور مجھ سے زیادہ طاقتور ہونے کی وجہ سے میرا شکار چھینا ہے۔ یہ ڈاکوؤں جیسی بُری حرکت بادشاہ سلامت آپ کو زیب نہیں دیتی۔ مجھے یہ سب دیکھ کر بہت دُکھ ہوا ہے۔ ایک ڈاکو کی طرح یہ سب آپ کو بالکل زیب نہیں دیتا۔''

شیر نے لومڑی کی بُڑ بُڑاہٹ سنی اور رُک گیا۔ شیر نے زوردار قہقہہ لگایا اور بولا: ''ایک

ڈاکو، دوسرے کو ڈاکو کہہ رہا ہے کتنی عجیب سی بات ہے۔ لومڑی بی! آپ نے خود ڈاکہ ڈالا ہے۔ کیا آپ نے بھیڑ، بکریوں اور اُن کے مالک سے اجازت لے کر یہ شکار حاصل کیا تھا۔ اگر آپ اُن سے شکار لینے کا بولتیں تو بھیڑ، بکریوں نے آپ کو ٹکریں مار مار کر آپ کا بُھرکس نکال دینا تھا۔ کون کسی کو اپنی اولاد کھانے کے لیے پیش کرتا ہے؟ کیا آپ نے بھیڑ اور بکریوں کی موجودگی میں اپنا شکار حاصل کیا تھا؟ لومڑی! آپ نے جھاڑیوں میں خود کو چُھپا کر اس معصوم بچے پر حملہ کیا تھا۔ کیا یہ سب انصاف تھا؟ یہ بچہ تو گھاس کھانے کے لالچ میں آگے بڑھتا چلا آیا تھا۔ جس کا تم نے بھرپور فائدہ اُٹھاتے ہوئے اس پر حملہ کر دیا۔ اب تم خود ہی بتاؤ یہ کیسا انصاف ہے؟ جو تُم نے خود کیا ہے' کیا ایک ڈاکو اور چور کو زیب دیتا ہے کہ وہ عدل وانصاف کی بات کرے اور انصاف حاصل کرنے کے لیے میرے پاس آئے؟''

شیر کی باتوں نے لومڑی کو لاجواب کر دیا تھا۔ اس لیے اُس نے خاموشی سے سر جھکایا اور واپس اپنے گھر کی طرف چل پڑی۔ لومڑی شیر کے لاجواب سوالوں سے بُری طرح بوکھلا گئی تھی۔ اس لیے اُس نے خاموشی میں ہی اپنی عزت سمجھی اور بھوکی اپنے گھر کی طرف چل پڑی۔ لومڑی نے اپنا راز ظاہر ہونے پر اسی میں عزت سمجھی کہ خاموشی سے شیر کو شکار کھانے دیا اور خود کسی اور شکار کی تلاش شروع کر دے۔

اچھے بچو! گناہ چاہے بڑا ہو یا چھوٹا گناہ، گناہ ہی ہوتا ہے۔ اگر آپ گناہ گار اور قصوروار ہیں تو انصاف کی اُمید مت رکھیں۔

✪ ✪ ✪

عقل مند کون؟

بارش کے بعد موسم بہت نکھر چکا تھا۔ تمام جاندار بارش کے بعد خوب ہنسی مذاق کر رہے تھے۔ اس سال کی یہ پہلی بارش تھی۔ بارش ہونے کی خوشی میں تمام جانوروں نے اپنی اپنی پسند کی خوراک خوب مزے سے کھائی۔ ڈِنکو میاں بھی بارش کے بعد بہت ہشاش بشاش نظر آ رہے تھے۔ ڈِنکو میاں نے خوشی سے ایک لمبی ہانک بھری اور ''ڈِھینچوں، ڈِھینچوں، ڈِھینچوں'' کر کے اپنی خوشی کا اظہار کیا۔ ڈِنکو میاں نے گھر کی کھڑکی کھول کر باہر پہاڑوں پر اُگی گھاس کو دیکھا تو خوشی سے اُچھلنے لگا۔ بارش کے بعد ہری بھری گھاس اپنی خوش بو، رنگ اور تازگی کی وجہ سے بہت پیاری لگ رہی تھی۔ ڈِنکو میاں نے جھٹ سے دروازہ کھولا اور فوراً گھاس کے پاس پہنچ گیا۔ تمام پرندے اور جانور اپنی پسندیدہ خوراک کے مزے لے رہے تھے۔ ڈِنکو جی نے فوراً ہری بھری گھاس چرنی شروع کر دی۔ بارش کے بعد گھاس میں جو تازگی اور مٹھاس بھر آئی تھی اُس کا انتظار ڈِنکو میاں کو بہت تھا۔ وہ روزانہ بارش ہونے کی دعا مانگتا تھا۔ ابھی ڈِنکو میاں خوب مزے سے گھاس چر رہا تھا کہ اچانک ایک خوف ناک بھیڑیا اُس کے سامنے آ کر کھڑا ہو گیا اور غصے سے غُرایا۔ ''میں بھی مزے دار خوراک کی تلاش میں نکلا تھا۔ مگر مجھے کیا معلوم تھ

کہ اتنی جلدی مجھے ایک جوان اور خوب پلا ہوا گدھا مل جائے گا۔ میں آج تم کو ضرور کھاؤں گا۔''

ڈِنکو میاں اس آفت سے سخت پریشان ہو گیا اور بھیڑیئے کو دھوکا دے کر جان بچانے کا طریقہ سوچنے لگا۔ اتنی دیر میں ڈِنکو میاں کے دماغ میں ایک بات آئی اور وہ زور زور سے چلانے لگا۔ ''ہائے...... ڈِھینچوں، ڈِھینچوں، ہائے، ہائے...... ہائے...... میں مر گیا...... کوئی ہے جو میری مدد کرے۔ ہائے...... میں مر گیا...... شدید درد ہو رہا ہے...... مجھے بچالو...... ہے کوئی جو مجھے بچا سکے......؟'' ڈِنکو میاں شدید درد کی وجہ سے چلاتے ہوئے لنگڑانے لگے۔ بھیڑیا اس اچانک صورتِ حال سے سخت پریشان ہوا۔ اُس کو تو اپنی خوراک کے لیے موٹا تازہ گدھا مل گیا تھا۔ مگر بھیڑیا بہت پریشان ہو گیا کہ یہ اچانک گدھے کو کیا ہو گیا ہے؟ یہ شور کیوں مچا رہا ہے۔

بھیڑیا غصے سے چلایا: ''ارے او گدھے۔ کیوں شور مچا رہے ہو؟ خاموش ہو جاؤ۔ اگر تم شور مچا کر اپنی مدد کے لیے کسی کو بلا رہے ہو تو یہ تمہارا وہم ہے' میں تمہاری مدد کرنے والے کو کچا چبا جاؤں گا۔'' ڈِنکو میاں نے اپنا ایک پاؤں اُٹھایا اور لنگڑا کر بولا: ''میں شور نہ مچاؤں تو کیا کروں؟ میں اس وقت شدید تکلیف میں ہوں۔ میرے پاؤں میں بہت نوکیلا کانٹا چُبھ گیا ہے ذرا میرے پاؤں سے کانٹا تو نکال دو۔ پھر بے شک مجھے کھا لینا۔'' بھیڑیئے نے اپنی گردن اکڑائی اور بولا: ''میں تمہارے پاؤں سے کیوں کانٹا نکالوں؟ میں گدھا نہیں ہوں۔ تم خود ہی اپنے پاؤں سے کانٹا نکالو اور ہاں ذرا جلدی کانٹا نکال لینا۔ میں نے تم کو کھانا ہے۔ مجھے سخت بھوک لگی ہوئی ہے۔ مجھے انتظار نہ کروانا۔ فوراً اپنے پاؤں سے کانٹا نکالو۔''

ڈِنکو میاں نے پھر ڈِھینچوں ڈِھینچوں ڈِھینچوں کر کے شور مچایا اور بولا: ''تم اگر میرے

پاؤں سے کانٹا نہیں نکالو گے تو یہ تمہارے گلے میں پھنس جائے گا۔ پھر تمہارے گلے کا آپریشن ہو گا۔ پھر جا کر کہیں کانٹا نکلے گا۔ اس لیے بہتر یہی ہے کہ تم میرے پاؤں سے کانٹا نکال دو۔ پھر تسلی سے مجھے کھا لینا۔''

بھیڑیئے نے تھوڑی دیر کے لیے سوچا: ''گدھا بالکل ٹھیک کہتا ہے۔ اگر اس کے پاؤں سے کانٹا نہ نکلا تو وہ میرے گلے میں پھنس جائے گا۔ بہتر یہی ہے کہ میں پہلے گدھے کے پاؤں سے کانٹا نکال دوں' پھر تسلی سے اس گدھے کو کھاؤں گا۔''

یہ سوچ کر بھیڑیئے نے جوں ہی ڈِنکو میاں کے پچھلے پاؤں کو پکڑا' ڈِنکو میاں نے پوری طاقت سے اپنی اگلی ٹانگوں پر بوجھ ڈالتے ہوئے اپنی پچھلی دونوں ٹانگیں فضا میں بلند کیں اور بھیڑیئے کے منہ پر زبردست دُولتی ماردی۔ بھیڑیا اس اچانک حملے سے بُری طرح بوکھلا گیا اور اُس کے تمام دانت ٹوٹ کر منہ سے باہر گر پڑے۔ بھیڑیئے کے منہ سے خون کا فوارہ پُھوٹ پڑا۔ اب بھیڑیا گدھے کو کھانے کی بجائے اپنی مصیبت میں پھنس گیا تھا۔ وہ بُری طرح روتے، شور مچاتے ہوئے ایک طرف کو دوڑ پڑا۔ ڈِنکو میاں نے بھیڑیئے کو بھاگتے ہوئے دیکھا تو خوب ہنسا اور دوبارہ ہری بھری گھاس چرنے لگا۔

اچھے بچو!

مصیبت کے وقت گھبرانے کی بجائے سوچ سمجھ کر مقابلہ کرنا چاہیے

✪ ✪ ✪

لاتوں کے بُھوت

چودھری آفتاب کو پالتو جانور رکھنے کا بہت شوق تھا۔ وہ ان پالتو جانوروں کی خوب اچھی طرح دیکھ بھال کرتا تھا۔ اُن کو وقت پر کھانا کھلاتا۔ وہ ان جانوروں کو باندھتا نہیں تھا۔ یہی وجہ تھی کہ تمام جانور بہت خوش رہتے تھے۔ چودھری آفتاب نے ایک کتا، گھوڑا اور گائے پالی ہوئی تھی۔ گھوڑا اور گائے تو اصطبل میں رہتے تھے۔ جہاں کُھرلی میں ان کے کھانے کے لیے ہر وقت تازہ سبز چارہ پڑا رہتا تھا۔ گھوڑا اور گائے کو جب بھوک لگتی تو وہ اصطبل میں آ کر چارہ کھا لیتے تھے۔ چودھری آفتاب کا کتا اپنے مالک کے ساتھ حویلی میں رہتا تھا۔ جس کی وجہ سے کتا بہت مغرور اور اڑیل مزاج کا تھا جو آسانی سے کوئی بات نہیں سمجھتا تھا اور نہ ہی کسی کی کوئی بات مانتا تھا۔ کرتا وہی تھا جو اُس کا دل چاہتا تھا۔ چودھری نے اپنے کتے کا نام ''موتی'' گائے کا نام ''سنہری'' اور گھوڑے کا نام ''روشنی'' رکھا ہوا تھا۔ یہ جانور ایک دوسرے کو اسی نام سے پکارتے تھے۔ مگر کتا روزانہ گائے اور گھوڑے کو اصل ناموں کے بجائے اُلٹے ناموں سے بُلاتا تھا۔

ایک دن ''موتی'' کو پتہ نہیں کیا سُوجھی کہ وہ دوڑتا ہوا اصطبل میں آیا اور کُھر لی میں

پڑے چارے پر بیٹھ گیا۔ وہ چارے کو بُری طرح خراب کر رہا تھا۔ اُس کے بیٹھنے سے گھاس خراب ہو رہی تھی۔ شام کو جب گھوڑا اور گائے چودھری آفتاب کے ساتھ کھیتوں سے واپس اپنے اصطبل میں آئے تو اُن کو خوب بھوک لگی ہوئی تھی۔ دونوں جلدی سے چلتے ہوئے کُھرلی کی طرف بڑھے تو ایک دم رُک گئے۔ کیوں کہ سامنے کُھرلی میں پڑی گھاس پر موتی منہ کھولے بیٹھا تھا۔ گھوڑے نے موتی سے پوچھا کہ آج چودھری صاحب بتا رہے تھے کہ تم بیمار ہو۔ اس لیے اُن کے کھیتوں میں نہیں آئے۔ مگر تم تو بالکل ٹھیک ٹھاک نظر آ رہے ہو۔ اب تم ہمارے اصطبل میں کیا کر رہے ہو؟ ہمیں بہت زور کی بھوک لگی ہوئی ہے۔ تم ہماری کُھرلی میں کیا کر رہے ہو۔ اب تم فوراً کُھرلی سے باہر نکلو اور ہمیں گھاس کھانے دو۔"

موتی نے اپنی دُم اکڑاتے ہوئے "بُھوں۔ بُھوں۔ بُھوں" کیا اور غصے سے بولا: "خبردار! اگر تم دونوں کُھرلی کی طرف آئے اور گھاس میں منہ مارنے کی کوشش کی۔ اگر تم دونوں باز نہ آئے تو میں تم دونوں کو کاٹ لوں گا۔" گائے بولی: "ارے موتی بھائی! تم کو آج کیا ہو گیا ہے؟ یہ سبز چارہ ہے۔ کوئی ہڈیاں یا گوشت نہیں ہے جو تم ہمیں کھانے سے منع کر رہے ہو۔" موتی نے اپنی آنکھوں کی بھنویں اوپر چڑھائیں اور بولا: "ٹھیک ہے۔ یہ سب چارہ ہے جو میں نہیں کھاتا۔ اگر میں یہ نہیں کھا سکتا تو میں تم کو بھی کھانے نہیں دوں گا؟"

گھوڑے نے اپنی گردن اوپر اُٹھائی اور بولا: "موتی بھائی! آج تم کو ہوا کیا ہے؟ کیسی بہکی بہکی باتیں کر رہے ہو۔ کیا آج مالک نے تم کو کھانے کو کچھ نہیں دیا جو ہماری گھاس خراب

کرر ہے ہو؟'' موتی نے اپنی دم ہلاتے ہوئے کہا: ''ارے بیوقوف گھوڑے! تمہارا نام تو روشنی ہے مگر تمہارے پاس عقل کی روشنی نہیں ہے۔ تم تو بیوقوفی کا اندھیرا ہو۔ مجھے تو آج مالکن نے خوب اچھی ہڈیاں اور گوشت کھانے کے لیے دیا تھا۔ میں نے خوب ڈٹ کر کھانا کھایا ہے۔''

گائے ڈکرا کر بولی: ''موتی بھائی! جب تم کھانا کھا چکے ہو تو ہم کو کیوں تنگ کرر ہے ہو؟ ہمیں بہت بھوک لگی ہے۔ ہمیں چارہ کھانے دو۔ ہماری کھُرلی سے فوراً نکل جاؤ۔'' موتی پوری طاقت سے بھونکا اور بولا: ''بس میری مرضی ہے۔ میرا جو دل چاہے گا وہ کروں گا۔ میں تم دونوں کو آج چارہ نہیں کھانے دوں گا۔'' موتی کا جواب سُن کر گائے کو سخت غصہ آیا اور اُس نے اپنے نوکیلے سینگوں کو آگے بڑھا کر موتی کو زبردست ٹکر ماری۔ جس سے موتی بُری طرح اُلٹ کر کھُرلی سے نیچے گر گیا۔ اس سے پہلے موتی اُٹھ کر گائے پر حملہ کرتا کہ گھوڑے نے اس کو ایسی خوب صورت دولتی جھاڑی کہ وہ اُلٹ بازیاں کھاتا ہوا اصطبل سے باہر جا گرا۔ موتی ان حملوں سے اتنا گھبرایا کہ ''چیاؤں، چیاؤں'' کرتا ہوا حویلی کی طرف بھاگ گیا۔ گائے اور گھوڑا موتی کو بھاگتے دیکھ کر خوب ہنسے اور بولے: ''آیا تھا ہماری گھاس خراب کرنے مگر ہماری نرمی کا ناجائز فائدہ اُٹھا رہا تھا۔ کسی نے سچ ہی کہا ہے کہ لاتوں کے بھُوت باتوں سے نہیں مانا کرتے۔''

اچھے بچو!

جو نادان محبت اور نرمی کی بات نہیں سمجھتا وہ ہمیشہ نقصان اُٹھاتا ہے۔

دوستی میں بھلائی

جنگل کا بادشاہ شیر صبح سے بھوکا تھا۔ شدید بھوک کی وجہ سے اس سے ٹھیک طرح سے چلا بھی نہیں جا رہا تھا۔ شیر نے جب سے ہوش سنبھالا تھا' خود کو خوراک اور طاقت میں سب سے اعلیٰ پایا تھا۔ مگر جب سے شیر کے دل میں اپنی طاقت اور بادشاہت کا غرور سمایا تھا تب سے پورا جنگل بے برکت سا ہو گیا تھا۔ پورا جنگل کسی زمانے میں ہرا بھرا اور خوش حال ہوتا تھا۔ اب تو کئی سالوں سے آسمان بھی رُوٹھا ہوا تھا۔ بارشیں نہ ہونے کی وجہ سے زمین بھی پیاسی تھی۔ اب اس جنگل کو خوشحال اور سلامت رکھنے کے لیے شیر نے عقل مند جانوروں کی ایک کمیٹی بنا دی تھی۔ جس نے اس قحط اور بے برکتی کی اصل وجہ تلاش کرنی تھی۔

شیر آہستہ آہستہ قدم اُٹھاتا، سر کو جھکائے خوراک کی تلاش میں تھا کہ یک دم اُس کی نظر ایک موٹے تازے ہرن پر پڑی۔ جو ندی کے کنارے گھاس کھا رہا تھا۔ شیر نے خود کو جھاڑیوں میں چھُپا لیا اور ہرن پر حملہ کرنے کا سوچنے لگا۔ کمزور اور بے ہمت شیر میں اپنا شکار دیکھ کر ایک نئی طاقت آ گئی تھی۔ شیر آہستہ آہستہ قدم بڑھاتا ہوا ہرن کے بالکل قریب پہنچ چکا تھا۔ اس سے پہلے کہ شیر ہرن پر حملہ کرتا ہرن خطرے کی فضا محسوس کر کے فوراً بھاگ گیا۔ شیر

نے ہرن کو قابو کرنے کے لیے دوڑ لگا دی مگر ہرن لمبی چھلانگیں لگاتا ہوا شیر کی پہنچ سے بہت دُور نکل گیا۔ ایک تو بھوک اور پھر شکار کا یوں ہاتھ سے نکل جانا شیر کے لیے بہت صدمے کی بات تھی۔ شیر مایوس ہو کر ندی کی طرف چل پڑا۔ تیز دوڑنے کی وجہ سے شیر کی سانس پھولی ہوئی تھی۔ شیر نے پانی پینے کے لیے جیسے ہی ندی میں منہ ڈالا اسے پانی میں ایک اور شیر کا عکس نظر آیا۔ پہلے تو اُس نے اسے اپنا وہم اور کمزوری کا آنکھوں پر اثر سمجھا۔ مگر جب دوسرا شیر اُس کی موجودگی پر غصے میں آ گیا۔ دونوں شیر ایک دوسرے کو خون آلود نظروں سے دیکھنے لگے۔ شیر نے دوسرے شیر سے کہا کہ اُس کی کیسے جرات ہوئی وہ اُس کے علاقے میں آئے؟ دوسرا شیر بہت جوان اور طاقت ور تھا۔ وہ بھی غصے میں بولا: ''یہ پوری کائنات اللہ کی حکومت میں ہے۔ میں جہاں مرضی جاؤں اور رہوں، تم کون ہوتے ہو مجھے روکنے والے؟'' یہ کہہ کر دوسرے شیر نے ندی کے پانی میں منہ ڈالا اور پانی پینے لگا۔ جنگل کے بادشاہ نے ایک اجنبی کی موجودگی اور ندی سے پانی پینے کو اپنی توہین سمجھا اور وہ اُسے ننگی تلوار کی طرح گھورنے لگا۔ اس سے پہلے کہ دونوں میں باقاعدہ لڑائی ہوتی یا کوئی ایک حملہ کرنے میں پہل کرتا دونوں شیر ایک ساتھ ایک دوسرے پر حملہ آور ہوئے اور بے رحمی سے لڑنے لگے۔ پورا جنگل ان کی لڑائی سے لرز اُٹھا۔ دونوں ایک دوسرے پر بڑھ بڑھ کر حملے کر رہے تھے۔ جس کی وجہ سے دونوں بُری طرح زخمی ہو گئے۔ دونوں نے ایک دوسرے کو کاٹ کاٹ کر قیمہ بنا دیا تھا۔ دونوں کے جسموں سے بری طرح خون رس رہا تھا۔ اس سے پہلے کہ دونوں شیر ایک

دوسرے کی گردن مروڑ دیتے دونوں لڑتے ہوئے بے حال ہو گئے۔ ان کی لڑائی اور جسموں کو خون آلود دیکھ کر چند گدھ ان کے قریب آ کر بیٹھ گئے۔ گدھ اس بات کا انتظار کرنے لگے کہ کوئی ایک شیر مرے گا تو اُن کو پیٹ بھر کر عمدہ خوراک مل جائے گی۔ گدھ ان شیروں کی لڑائی سے بہت خوش تھے اور ان کی لڑائی کا انجام دیکھنے کے لیے بے تاب تھے۔

جنگل کے بادشاہ اور دوسرے شیر نے کچھ دیر رُک کر پھر ایک دوسرے پر حملہ کر دیا۔ اب دونوں شیر پورے جوش اور جذبے سے حملہ آور ہوئے تھے۔ گدِھوں نے ان کی دوبارہ لڑائی پر خوشی کا اظہار کیا۔ گدِھوں کو خوشیاں مناتے اور اپنے آس پاس گھومتے دیکھا تو جنگل کا بادشاہ شیر ساری بات سمجھ گیا۔ اُس نے دوسرے شیر سے کہا: ''ہماری لڑائی کی وجہ سے یہ گدِھ یہاں جمع ہو گئے ہیں۔ ہمارے زخموں اور حملوں کو دیکھ کر ان کو یقین ہو گیا ہے کہ ہم میں سے کوئی ایک ضرور مارا جائے گا۔ ان گدِھوں نے ہماری خطرناک لڑائی کو دیکھ کر اپنے دوسرے ساتھیوں کو بھی بلا لیا ہے۔ تاکہ وہ بھی اس دعوت کے مزے لے لیں۔ دوسرے شیر نے بادشاہ شیر کی بات سُنی اور وہ بھی اصل صورتِ حال کو سمجھ گیا۔ اس لیے دونوں نے لڑائی ختم کی اور ایک دوسرے کو گلے سے لگا لیا۔ شیر بادشاہ نے دوسرے شیر سے کہا کہ وہ اُس کا مہمان ہے۔ وہ جتنے دن چاہے اس جنگل میں رہ سکتا ہے۔ مہمان شیر نے بادشاہ کی دعوت کو قبول کر لیا اور اپنے رویئے کی معافی مانگ لی۔ دونوں شیر ایک دوسرے سے گلے ملے اور ایک دوسرے کے گہرے دوست بن گئے۔ دونوں نے عقل مندی سے لڑائی کا انجام سوچ لیا تھا۔ اس لیے اب

دونوں دوستوں نے اکٹھے مل کر ندی سے پانی پیا اور اکٹھے شکار کی تلاش میں چل پڑے۔ گِدھوں نے اچانک صورتِ حال بدلنے پر حیرت کا اظہار کیا اور شیر کا گوشت کھانے کی حسرت لیے وہاں سے اُڑ گئے۔ دونوں شیروں نے ایک دوسرے کو معاف کر دیا تھا۔ مہمان شیر نے بادشاہ شیر کو اپنے علاقے میں آنے کی دعوت دی اور دوبارہ ملاقات کا وعدہ کر کے اپنے علاقے کی طرف چل پڑا۔

اچھے بچو!

اچھی سوچ اور دوستی میں ہر طرح کی بھلائی ہے۔

✪ ✪ ✪

حیرت ناک انجام

بادشاہ سلامت بہت خوش مزاج اور ظرافت کے قدر دان انسان تھے۔ اُن کی اس عادت سے ساری رعایا بخوبی واقف تھی۔ بادشاہ سلامت اپنے مزاج کی وجہ سے رعایا کے ہر فرد کو پیارے تھے۔ درباری بھی اپنے بادشاہ کی خوش مزاجی سے ہر پریشان سوالی کو مسکرانے پر مجبور کر دیتا تھا۔ پھر سوالی کے سوال کو بھی پورا کرتا تھا۔ جو کوئی سوالی آ کر فریاد کرتا بادشاہ اُس کی فریاد سنتا۔

بادشاہ نے اپنے دربار میں بھی ایک بہت ذہین مسخرہ رکھا ہوا تھا۔ یہ مسخرہ بہت عقلمند اور سلجھا ہوا تھا۔ کسی کو دل دکھانے والا مذاق نہیں کرتا تھا۔ بادشاہ نے اس مسخرے کو دربار میں خاص رُتبہ دیا ہوا تھا۔ یہ مسخرہ اپنی باتوں اور حرکتوں سے دربار میں ہر شخص کو مسکرانے پر مجبور کر دیتا تھا۔ مسخرے کا کام غمگین اور دُکھی چہرے پر مسکراہٹ لانا تھا۔ یہی وجہ تھی بادشاہ اس مسخرے سے بے حد محبت کرتا تھا۔ بادشاہ کے لاڈ پیار کی وجہ سے تمام درباری بھی اس مسخرے کی بہت عزت کرتے اور اُس کا بے حد خیال رکھتے تھے۔

ایک دن بادشاہ صبح نیند سے بیدار ہوا تو اُس نے کسی کے رونے کی آوز سُنی۔ جیسے کوئی

سخت تکلیف میں تھا۔ بادشاہ نے رونے کی آواز سنتے ہی جلدی جلدی اپنا شاہی لباس پہنا اور تاج سر پر رکھ کر دربار کی طرف تیزی سے چل پڑا۔ جب بادشاہ دربار میں پہنچا تو اُس نے بہت عجیب وغریب منظر دیکھا۔ پہلے تو اُس کو اپنی آنکھوں پر یقین نہ آیا مگر اُس نے حقیقت سمجھتے ہوئے دیکھا کہ دربار کے محافظ مسخرے کو سخت بے رحمی سے مار رہے تھے' محافظ ہاتھ میں کوڑا پکڑے مسخرے کو بے دردی سے پیٹ رہا تھا' بادشاہ نے جب یہ منظر دیکھا تو وہ غصے سے چیخا: ''اس کو مارنا چھوڑ دو' یہ بہت اچھا انسان ہے۔ اس کو مت مارو۔'' محافظ نے بادشاہ کا حکم سنا تو بولا: ''بادشاہ سلامت! یہ بہت گستاخ اور بُرا آدمی ہے۔'' دوسرا محافظ بھی غصے سے بولا: ''بادشاہ حضور! آپ اس گستاخ پر رحم نہ کھائیں۔ یہ سخت سزا کا حقدار ہے۔'' تیسرا محافظ آگے بڑھا اور باادب ہو کر بولا: ''بادشاہ سلامت! ایسے شخص کو تو قید خانے میں ڈال دینا چاہیئے' اسے سخت سزا ملنی چاہیئے۔'' بادشاہ نے تمام محافظوں کی بات سُنی اور بولا: ''آخر اس نے کیا کر دیا جو تم سب اس کو مار رہے ہو؟'' تمام محافظ یک زبان ہو کر بولے: ''بادشاہ سلامت! آج ہم اپنے فرائض کی ادائیگی کے لئے دربار پہنچے تو دیکھا یہ گستاخ آپ کے تخت پر بیٹھا ہوا تھا۔ ہم نے یہ منظر دیکھا تو ہمارا خون کھول اُٹھا۔ ہم یہ سب کیسے برداشت کر سکتے تھے کہ کوئی غیر آپ کے تخت پر بیٹھے۔''

بادشاہ نے مسکراتے ہوئے کہا: ''کوئی بات نہیں۔ فی الحال اس کو چھوڑ دو۔ اس نے یہ حرکت ضرور اپنی معصومیت کی وجہ سے کی ہوگی ورنہ یہ بہت اچھا انسان ہے۔'' بادشاہ نے مسخرے کو اپنے درباری محافظوں سے چھڑایا اور اپنے پاس بلا کر بولا: ''اے میرے عزیز! تم

نے یہ حرکت کیوں کی؟ حالانکہ تم ان آداب سے بخوبی واقف ہو۔" مسخرہ بادشاہ کی بات سُن کر ہنسا اور پھر خوب زور زور سے رونے لگا۔ وہ خوب چیخ چیخ کر رو رہا تھا۔ بادشاہ نے مسخرے کو رونا بند کرنے کا کہا اور بولا: "میں تم سے بالکل خفا نہیں ہوں۔ میں محافظوں کی طرف سے تم سے معافی مانگتا ہوں۔ تم میرے قریب آؤ اور اپنے افسردہ چہرے پر مسکراہٹ لاؤ۔ تمہارے چہرے پر مسکراہٹ اچھی لگتی ہے۔" مسخرہ بادشاہ کی بات سُن کر بولا: "حضور! میں اپنی حرکت پر نہیں رو رہا بلکہ میں تو آپ پر رو رہا ہوں۔ اپنے آپ پر نہیں۔"

بادشاہ نے حیرت سے مسخرے کی طرف دیکھا اور بولا: "میرے لیے رو رہے ہو؟ وہ کیسے؟" بادشاہ مسخرے کی بات سُن کر حیران ہو گیا۔ مسخرے نے دونوں ہاتھوں سے تالی بجائی اور بولا: "حضور! میں آپ کے لیے اس لیے رو رہا ہوں کہ میں تو چند لمحوں کے لیے تخت پر بیٹھا تھا تو اُس کی اتنی سخت سزا ملی۔ مجھے اتنی بے رحمی سے مارا گیا کہ میری تمام ہڈیاں پس کر سُرمہ بن چکی ہوں گی۔ مجھے یہ سزا چند لمحے تخت کا مزہ لینے پر ملی اور آپ تو کئی سال سے اس تخت پر بیٹھ رہے ہیں۔ آپ کو اس کی سزا کتنی زیادہ ملے گی؟

مسخرے کی بات سُن کر بادشاہ اور تمام لوگ کھلکھلا کر ہنس پڑے۔ بادشاہ نے مسخرے کو اپنے گلے سے لگا لیا اور اُس کو بہت سے انعامات دیئے۔ مسخرے نے اپنی عادت کی وجہ سے سب کو مسکرانے پر مجبور کر دیا۔

اچھے بچو! ظرافت حیرت ناک انجام دے سکتی ہے۔

✪ ✪ ✪

شرارت کا انجام

دن بھر میں رعایا کی سلامتی اور خوش حالی کو برقرار رکھنے کے بعد بادشاہ سلامت شیر بہت تھک چکا تھا۔ جب شیر چلتے چلتے ایک ندی کے پاس پہنچا تو سخت گرمی سے ندی کے کنارے چلنے والی ٹھنڈی ہوا سے خوش ہو گیا۔ شیر نے سبز سبز گھاس دیکھی اور بہت سکون سے آنکھیں بند کر کے لیٹ گیا۔ تھکاوٹ کی وجہ سے شیر کو جلد ہی نیند آ گئی اور وہ گہری نیند سو گیا۔

شیر کے پاس ہی سبز گھاس میں ایک مچھر بیٹھا ہوا تھا۔ یہ مچھر بہت شرارتی تھا۔

اُسے شرارت سُوجھی اور شیر کو تنگ کرنے لگا۔ کبھی شیر کے کان کے پاس چلا جاتا اور کبھی اُس کی ناک کے پاس جا کر اپنے پروں کو تیزی سے ہلاتا۔ جس کو شیر اپنے پنجے سے ہٹا دیتا مگر اتنا صحت مند شیر دیکھ کر مچھر کی نیت خراب ہوگئی۔ وہ شیر کا خون چوسنے کا موقع تلاش کرنے لگا۔ مچھر کو بادشاہ سلامت کا خون چوسنے کا بہت شوق تھا اور اب یہ موقع اُسے مل گیا تھا۔ مچھر بھن، بھن، بھن کرتا ہوا شیر کے کان کے پاس گیا اور خوب شور مچایا۔ مچھر کی اس حرکت سے شیر کی آنکھ کھل گئی۔ شیر بڑے مزے سے نیند کے مزے لے رہا تھا مگر مچھر کی شرارت سے شدید غصے میں آ گیا اور بُری طرح دھاڑا۔ ''ارے بدتمیز مچھر! تم کو ذرا بھی عقل نہیں ہے۔ مجھے کیوں تنگ کر رہے ہو؟ مجھے سونے دو''۔ مچھر اپنی حرکت سے باز آنے کی بجائے شیر کو مزید تنگ کرنے لگا۔ شیر نے ایک کروٹ لی اور اُٹھ کر بیٹھ گیا اور غصے سے بولا: ''تیری یہ مجال کہ تو مجھے تنگ کرے؟ میں ابھی تمہارا دماغ ٹھکانے لگاتا ہوں۔'' یہ کہہ کر شیر نے اپنا پنجہ مچھر کی طرف بڑھایا کہ مچھر کو پکڑ کر مسل دے مگر مچھر بہت چالاک اور بدتمیز تھا۔ وہ پُھرتی سے ایک طرف اُڑ گیا اور شیر کے حملے سے بچ گیا۔ شیر مچھر کی پُھرتی دیکھتا رہ گیا۔ شیر غصے میں مچھر کو بُرا بھلا کہہ کر پھر گھاس پر لیٹ گیا۔ مچھر قریب ہی چھپا بیٹھا تھا۔ وہ دوبارہ اڑتے ہوئے آیا اور پھر شیر کے کان میں بولا: ''ہا! ہا! ہا! میں بچ گیا۔ بادشاہ سلامت! ہی! ہی! ہی! آپ تو جنگل کے بے تاج بادشاہ ہو۔ آپ کی بہادری کے بڑے چرچے ہیں۔ منٹوں میں ہر طرح کا شکار کر لیتے ہیں۔ مگر مجھے تو مار نہیں سکے۔ یاد رکھو! مجھے کبھی بھی مار نہیں سکتے۔ میں بہت پُھرتیلا اور چالاک مچھر ہوں''۔ یہ کہہ کر مچھر نے شیر کے کان پر بُری طرح کاٹ لیا۔ شیر درد کی شدت سے بُری طرح چیخا۔ اُس نے پنجے سے کان پر خارش کی۔ شیر کی حالت

دیکھ کر مچھر نے ہمت کی اور شیر کے ناک پر کاٹ دیا۔شیر بُری طرح تلملا اُٹھا۔اُس نے مچھر کو دوبارہ پکڑنے کی کوشش کی مگر پھر ناکام ہوگیا۔اب مچھر کو ایک نئی شرارت سُوجھی۔ وہ ندی کے قریب بنے تالاب پر گیا اور اپنی مخصوص آواز میں سیٹی بجا کر وہاں موجود تمام مچھروں کو اکٹھا کرلیا۔اب مچھر ان مچھروں کی راہنمائی کرتے ہوئے شیر پر حملہ آور ہوگیا۔اب کیا ہوا کہ شیر بے چارہ مچھروں کی اس فوج سے بچنے کے لیے سرپٹ دوڑ پڑا۔شیر آگے آگے اور مچھروں کی فوج پیچھے پیچھے تھی۔آخر مچھروں کی فوج نے شیر کو گھیر لیا اور بُری طرح کاٹا۔شیر کو اس قدر کاٹا گیا کہ اُس کا منہ اچھا خاصا سُوج گیا۔شیر نے منہ پر خارش کی تو اُسے زیادہ جلن ہونے لگی۔شیر اس آفت سے بُری طرح پریشان تھا۔وہ جب بھی خارش کرتا تو جلن میں مزید اضافہ ہوجاتا تھا۔آخر وہ بھاگتا ہوا ندی میں اُتر گیا۔جب ندی کا ٹھنڈا پانی شیر کے بدن کو لگا تو اُسے سکون محسوس ہوا۔شیر جلدی سے ندی کے پانی میں نہانے لگا۔ٹھنڈے پانی سے نہا کر اُسے بہت سکون ملا۔وہ مچھر کو مزہ چکھانے کا سوچنے لگا۔شیر ندی کے پانی سے نہا کر جب باہر نکلا تو اُسے کافی آرام محسوس ہورہا

تھا۔اب شیر کو کاٹ کرتالاب کے مچھر واپس چلے گئے تھے مگر شرارتی مچھر اب بھی شیر کو تنگ کر رہا تھا۔شیر نے بہت کہا کہ وہ اپنی بُری حرکتوں سے باز آجائے مگر مچھر انتہائی بدتمیزی کر رہا تھا۔وہ ایک بار پھر اکیلا شیر پر بھرپور حملہ کرنے کے لیے آگے بڑھا۔شیر مچھر کی زد سے بچنے کے لیے آگے کی طرف دوڑ پڑا۔شیر آگے آگے اور مچھر اُس کے پیچھے پیچھے تھا۔مچھر کسی بھی قیمت پر شیر کا پیچھا نہیں چھوڑ رہا تھا۔ندی کے کنارے درخت پر مکڑی نے جالا بُنا ہوا تھا۔جوں ہی مچھر اپنی تیزی اور چالاکی سے شیر کو کاٹنے کے لیے آگے بڑھا تو وہ مکڑی کے جالے میں پھنس گیا۔مچھر کو جالے میں پھنسا دیکھ کر مکڑی فوراً آگے بڑھی اور مچھر کو دبوچ

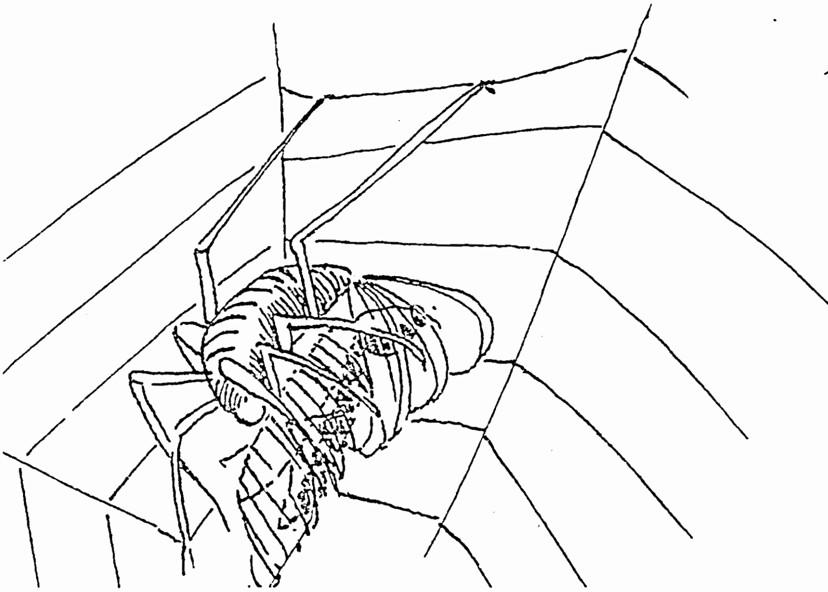

لیا تازہ خون چوس کر مچھر اچھا خاصا صحت مند ہو چکا تھا۔مکڑی نے خوب مزہ لے کر مچھر کو ہڑپ کرلیا۔یوں مچھر کو اپنی شرارتوں کی یہ سزا مل گئی۔مچھر کو مکڑی کی خوراک بنتے دیکھ کر شیر نے سُکھ کا سانس لیا اور ندی کے کنارے لیٹ کر اپنی باقی تھکاوٹ دور کرنے لگا۔

اچھے بچو! ہمیشہ ایک دوسرے کا اچھا سوچو۔بُرا سوچنے کا انجام بھی بُرا ہوتا ہے۔

طاقت نہیں ترکیب

پہاڑوں کی ایک لمبی قطار تھی۔ اونچے نیچے پہاڑوں کے درمیان ایک دریا بہتا تھا۔ دریا کے پار جانے کے لئے ایک بہت تنگ پُل تھا۔ جو اس قدر تنگ تھا کہ اس پر دو افراد کا ایک ساتھ گزرنا ممکن نہیں تھا۔ جو لوگ بھی دریا کے آر یا پار جاتے وہ پُل کے ایک طرف کھڑے ہو کر پہلے آنے والے کا انتظار کرتے تھے پھر خود پُل پار کرتے تھے۔

ایک دن ایک پہاڑی بکری پُل کے اُس پار جا رہی تھی، جب وہ پُل کے درمیان پہنچی تو اُسے ایک اور بکری ملی، جس کے لمبے سینگ اُس کی طاقت کو ظاہر کر رہے تھے۔ پہاڑی بکری نے لمبے سینگوں والی بکری سے کہا کہ تم واپس چلی جاؤ تاکہ میں پہلے پُل پار کرلوں۔ اس کے بعد تم آسانی سے پُل پار کر کے دوسری طرف چلی جانا۔ لمبے سینگوں والی بکری نے غصے سے آنکھیں گھمائیں اور بولی: ''واہ، بھئی واہ، میں کیوں واپس جاؤں گی؟ تم ہی کیوں نہ واپس چلی جاؤ تاکہ میں آسانی سے پُل پار کرلوں؟ میں نے پُل کے پار بہت کام کرنے ہیں۔ میرے پاس بہت کم وقت ہے؟''

پہاڑی بکری نے کہا: ''چونکہ میں اس پُل پر پہلے آئی تھی اور میں نے آدھے سے زیادہ

فاصلہ طے کرلیا ہے اس لئے میری مانو تو تم واپس چلی جاؤ تاکہ میں پُل پار کرلوں۔'' لمبے سینگوں والی بکری نے اکڑ کر کہا: ''تم کو ہر حال میں واپس جانا پڑے گا۔ کیا تم مجھ سے زیادہ طاقتور ہو؟ تمہارے سینگ میرے سینگوں سے چھوٹے ہیں اور تم پہاڑوں پر رہتے ہوئے پیٹ بھر کر کھاتی بھی نہیں ہو۔ اس لئے تم ابھی واپس چلی جاؤں۔ اس میں تمہاری بہتری ہے۔''

پہاڑی بکری نے اس سے کہا کہ میں واقعی تم سے کمزور ہوں مگر جب کمزور اپنے حق پر ڈٹ جائے تو ظالم ہار جاتا ہے۔'' لمبے سینگوں والی بکری نے جب یہ سنا تو وہ غصے میں پاگل ہوگئی۔ اُس کی آنکھیں سرخ ہوگئیں اور اُس نے جھنجلا کر کہا: ''اچھا، تو اس بات کا ابھی پتہ چل جاتا ہے کہ ہم دونوں میں کون زیادہ طاقتور ہے؟ اور کس کو پہلے گزرنے کا حق ہے؟''

یہ کہہ کر لمبے سینگوں والی بکری نے اپنے لمبے سینگ لڑنے کے لئے جھکا لئے اور پہاڑی بکری کی طرف بڑھنے لگی۔ یہ دیکھ کر پہاڑی بکری نے چلا کر کہا: ''ارے ٹھہرو تم تو لڑنے پر تیار بھی ہوگئی ہو بلاوجہ لڑنے کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔ اس طرح اگر ہم دونوں لڑیں تو دونوں دریا میں گر جائیں گی اور ڈوب کر مر جائیں گی۔ میں نے ایک ترکیب سوچی ہے۔ اگر تم منظور کرلو تو ہماری زندگی بچ جائے گی۔''

لمبے سینگوں والی بکری نے اُس کی بات سُنی تو حیران ہوکر بولی: ''وہ کیا ترکیب ہے؟'' پہاڑی بکری بولی: ''میں پُل پر لیٹ جاتی ہوں اور تم میرے اُوپر سے گزر کر دوسری طرف چلی جاؤ۔''

یہ کہہ کر وہ پُل پر لیٹ گئی اور لمبے سینگوں والی بکری آرام سے آگے بڑھی اور نہایت احتیاط سے پہاڑی بکری کے اوپر سے گزر کر دوسری طرف چلی گئی۔ پھر وہ بولی: ''پہاڑی بہن! تم نے آج اپنی عقل مندی سے نہ صرف اپنی بلکہ میری بھی جان بچالی ہے۔ اگر ہم دونوں لڑنے لگ جاتیں تو دریا میں گر کر ڈوب جاتیں اور اپنی جان گنوا لیتیں۔ اب ہم نے سمجھوتا کر کے اپنی جان بھی بچالی اور پُل بھی پار کر لیا۔''

پیارے بچو!

کسی نے سچ کہا ہے کہ جو کام غصے اور لڑائی سے نہیں ہوسکتا وہ نرمی اور سمجھوتے سے ہو جاتا ہے۔

✪ ✪ ✪

بُرائی سے بچو

''جس طرح دوتلواریں ایک نیام میں نہیں رہ سکتیں' اسی طرح ایک جنگل میں دو بھیڑیے کیسے رہیں گے؟ اس لئے بہتر یہی ہے کہ تم اپنا بوریا بستر اُٹھاؤ اور اس جنگل سے چلے جاؤ'' سوگو بھیڑیے نے گوفو بھیڑیے کی طرف غصے سے دیکھتے ہوئے کہا تو گوفو بھی آنکھیں نکالتے ہوئے بولا: ''تم بالکل ٹھیک کہتے ہو کہ اس جنگل میں تم رہو گے یا میں۔۔۔اس لئے تم کو اپنی جان پیاری ہے تو فوراً یہاں سے چلے جاؤ۔ کیونکہ اس جنگل میں رہنا میرا پہلا حق ہے''۔

سوگو نے یہ بات سُنی تو غصے میں آگے بڑھا اور گوفو پر حملہ کر دیا۔ گوفو بھی اس حملے کے لئے تیار تھا۔ اُس نے جھٹ سے ایک چھلانگ لگائی اور اُس پر حملہ کر دیا۔ اب دونوں بھیڑیے ایک دوسرے پر خوب حملے کر رہے تھے۔ کبھی سوگو نیچے آجاتا تو کبھی گوفو نیچے آجاتا تھا۔ ایک دوسرے کو شکست دینے کے لئے دونوں اپنی طاقت کا بھرپور مظاہرہ کر رہے تھے۔ ان دونوں

کی لڑائی سے آس پاس کے جانور ڈر کر بھاگ گئے۔ تا کہ وہ لپیٹ میں نہ آ جائیں۔ دونوں بھیڑیے ایک دوسرے پر خوب حملے کر رہے تھے۔ یوں لڑتے لڑتے دونوں لہولہان ہو گئے۔ سوگو کا کان آدھا کٹ چکا تھا اور گوفو کی ناک پر گہرا زخم آیا تھا۔ دونوں بھیڑیے ایک دوسرے کی جان کے درپے تھے۔

اتنی دیر میں ایک ہرن کا بچہ کھیلتا ہوا اُدھر آ گیا۔ دونوں کو لڑتے دیکھ کر وہ اُن کے پاس آیا اور معصومیت سے بولا: "تم دونوں بہت بُرے ہو۔ آپس میں لڑائی کرتے ہوئے تم دونوں کو شرم آنی چاہیے۔ آپس میں تم دونوں کو نہیں لڑنا چاہیے۔ میری امی کہتی ہیں کہ اچھے بچے لڑائی نہیں کرتے ہیں۔ میری مانو تو آپس میں صلح کر لو۔ لڑائی جھگڑا کرنا بہت بُری بات ہے۔ فضول لڑائی کا کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔ خود دیکھ لو کہ لڑتے ہوئے تم دونوں کا کتنا بُرا حال ہو گیا ہے، اگر تم دونوں اسی طرح لڑتے رہے تو اپنے ناک کان یا آنکھ سے محروم ہو جاؤ گے۔ اس لئے میری مانو اور اچھے بچوں کی طرح صُلح کر لو"۔

گوفو اور سوگو نے ہرن کے بچے کی بات سُنی تو دونوں شرمندہ ہو گئے کہ اتنے چھوٹے بچے نے کتنی اچھی بات کہہ دی ہے؟ ہم دونوں جاہلوں اور بیوقوفوں کی طرح آپس میں لڑ رہے ہیں۔ اگر ہم واقعی اسی طرح لڑتے رہے تو معذور ہو جائیں گے اور جنگل کے دوسرے جانور ہمارا مذاق اُڑائیں گے۔ یہ سوچ کر دونوں کا غصہ کافی ٹھنڈا ہو گیا اور وہ دونوں آرام سے ایک

طرف جا کر بیٹھ گئے۔

جب وہ دونوں تھک ہار کر بیٹھے تو اُن کو سخت بھوک محسوس ہوئی۔ بھوک اور پیاس سے اُن کا بُرا حال ہوگیا تھا۔ دونوں شکار کی تلاش میں جانے لگے تو اُن کی نظر ہرن کے اُسی بچے پر پڑی جو اُن کے قریب ہری بھری گھاس چر رہا تھا۔ اُنھوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور بھوک سے تنگ آ کر فوراً ہرن کے بچے پر لپکے اور اُس کو گردن سے پکڑ کر خوب جھنجھوڑا اور دیکھتے ہی دیکھتے دونوں نے منٹوں میں ہرن کے بچے کو ہڈیوں سمیت چٹ کر لیا۔ دونوں بھیڑیوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور دوبارہ لڑنے کے لئے کھڑے ہو گئے۔

اچھے بچو!

بُروں کے ساتھ نیکی کرنے کا انجام بُرا ہوتا ہے کیونکہ وہ اپنی بُری عادت چھوڑ نہیں سکتے۔

دعا قبول ہوگئی

ندیم، مبشر اور مظفر تینوں بہت گہرے دوست تھے۔ بچپن سے لے کر جوانی تک ان تینوں کا ساتھ اتنا گہرا تھا کہ مثال دینا مشکل ہے۔ ان تینوں کے گھر بھی ایک ہی گلی میں تھے۔ ان کی دوستی سے ان کی بیویاں بہت تنگ تھیں۔ کیوں کہ وہ سارا دن باتیں کرتے رہتے تھے۔ جب کوئی کاروبار کرنا ہوتا تو تینوں مل کر کرتے تھے۔ ایک دن انھوں نے دوسرے شہر جا کر کام کرنے کا ارادہ کیا اور گھر سے ضروری سامان لے کر تینوں چل پڑے۔ زمانہ پیدل سفر کرنے کا تھا۔ سواری کسی کسی کے پاس ہوتی تھی۔ لوگ سارا دن اور رات پیدل سفر کرتے تھے۔ جہاں تھکاوٹ ہوئی وہیں لیٹ جاتے اور نیند پوری کر کے دوبارہ سفر کرنے لگ جاتے تھے۔

جب یہ تینوں سفر کرتے ہوئے اپنے شہر سے باہر نکلے تو راستے میں ریگستان کا علاقہ آیا جو کہ بہت دشوار تھا۔ وہ تینوں اپنے سفر کو جاری رکھتے ہوئے ریگستان کی گرم ریت پر چل رہے تھے۔ سفر بہت کٹھن اور تکلیف والا تھا۔ مگر وہ تینوں صبر اور ہمت سے چلتے جا رہے تھے۔ ان کا سفر ابھی جاری تھا۔ راستے میں کہیں جھاڑیاں آجاتیں تو کہیں نرم ریت آجاتی جس پر چلنا بہت مشکل ہو جاتا تھا۔ تینوں اکٹھے چل رہے تھے۔ چند دن کے سفر کے بعد وہ ریگستان سے

باہر آ گئے۔اب اُن کی راہ میں بہت سنگین چیزیں حائل ہو رہی تھیں۔ پہاڑوں کا طویل سلسلہ جس پر سفر کرنا نہایت خطرناک تھا۔مگر وہ ہمت نہیں ہارے تھے۔ پیدل چل چل کر اُن کی ٹانگیں درد کرنے لگی تھیں مگر فاصلہ اُن کو مزید سفر کرنے پر مجبور کر رہا تھا۔ پہاڑوں پر سفر کرتے ہوئے اُن کو خطرناک جانوروں کے حملے کا بھی خطرہ تھا۔ اس لیے اُنھوں نے خطرناک جانوروں کا مقابلہ کرنے کے لیے تیر کمان اور چاقو ہاتھ میں پکڑ لیے تھے۔ابھی یہ تینوں پہاڑ پر چڑھ ہی رہے تھے کہ یک دم آسمان پر کالی سیاہ گھٹاؤں نے ڈیرے ڈال لیے۔ بادل جتنے گہرے ہو رہے تھے موسم اُتنا خطرناک ہو رہا تھا۔رفتہ رفتہ بادل گہرے ہوئے تو پھر تیز آندھی چلنے لگی۔ یہ آندھی اتنی شدید تھی پہاڑوں پر اُگے درختوں کی ٹہنیاں اور پتے گر رہے تھے۔ آندھی مزید تیز ہوئی تو بارش شروع ہوگئی۔تیز بارش کی زد میں آئے تینوں دوستوں نے اپنا سفر جاری رکھنے کا ارادہ کیا مگر جب بارش کے دوران اَولوں کی بوچھاڑ شروع ہوئی تو اُنھوں نے ادھر اُدھر دیکھا کہ کوئی ایسی جگہ نظر آ جائے' جہاں بیٹھ کر وہ اَولوں کی بوچھاڑ سے بچ سکیں۔

اس دوران اُن کو پہاڑ کے درمیان ایک غار نظر آیا۔ وہ اس خوفناک طوفانی بارش سے بچنے کے لیے غار کی طرف دوڑے اور غار کے اندر چلے گئے۔طوفانی بارش اور خوفناک آندھی اپنی بھرپور طاقت سے چل رہی تھیں اور اَولے بھی خوب برس رہے تھے۔ وہ تینوں اس آفت کے اچانک آنے سے شدید پریشان اور بہت سہمے ہوئے تھے۔اُن کی نگاہیں غار سے باہر برستے اولوں اور بارش کو دیکھ رہی تھیں۔ جو آہستہ آہستہ تیز ہو رہے تھے۔ وہ تینوں اس طوفانی

بارش سے بچاؤ کی دعائیں مانگنے لگے۔ ''یا اللہ! ہم سب نیک مقصد لے کر سفر کر رہے تھے۔ اس طوفانی بارش کی وجہ سے ہم رُک گئے۔ تُو بہت رحیم و کریم ہے۔ ہمیں اس طوفان سے نجات دلا دے۔ یا اللہ! ہمیں ہر طرح کی مصیبت سے بچا۔ آمین'' ۔۔۔۔ وہ تینوں دعا مانگ رہے تھے کہ یک دم شور مچا اور ایک بہت بھاری اور بڑا پتھر پہاڑ کی چوٹی سے گر اور غار کے منہ پر آ کر رُک گیا۔ جس سے غار کا منہ بند ہو گیا۔ غار کے اندر گُھپ اندھیرا چھا گیا اور وہ تینوں سخت گھبرا گئے۔ پہلے طوفانی بارش سے بچنا مشکل تھا اب نئی مصیبت نازل ہو گئی تھی۔ اُنھوں نے مِل کر بھاری پتھر کو غار کے منہ سے ہٹانے کی کوشش کی، خوب زور لگایا مگر پتھر اتنا بھاری تھا کہ وہ اپنی جگہ سے ذرا سا بھی نہ سرکا۔ وہ تینوں زور لگا کر تھک گئے تو مایوس ہو کر غار میں ایک طرف بیٹھ گئے' کیوں کہ پتھر نے غار کا منہ بند کر رکھا تھا' جس کی وجہ سے اُن کا باہر نکلنا بہت مشکل تھا۔ اب وہ تینوں غار میں قید ہو چکے تھے اور وہاں بیٹھ کر موت کا انتظار کرنے لگے۔ کیوں کہ اب موت نے اُن پر اپنی گرفت ڈالنی شروع کر دی تھی۔

وہ تینوں دل ہی دل میں اللہ کریم سے اپنی زندگی کی سلامتی کے لیے دعا کر رہے تھے۔ اتنی دیر میں مظفر بولا: ''دوستو! آؤ ہم اپنے اپنے نیکی کے کاموں کو یاد کر کے اللہ کریم سے مدد مانگتے ہیں۔ وہ ذات بہت رحم کرنے والی ہے۔ وہ انشاء اللہ ضرور ہمیں اس مصیبت سے نجات دلائے گی۔ یہ سُن کر ندیم گڑگڑا کر بولا: ''اے مالک دو جہاں! تُو خوب جانتا ہے کہ میں اپنے بچوں کو ہمیشہ حق حلال کی روزی کھلاتا ہوں' جس کے لیے میں کبھی کبھار دن رات مزدوری بھی

کرتا ہوں۔ میں نے آج تک حرام کا لُقمہ نہ خود کھایا ہے اور نہ ہی اپنے بچوں کو کھلایا ہے۔ میرے گھر والی بھی بہت نیک بخت ہے۔ اُس نے مجھے کبھی غلط مشورہ نہیں دیا بلکہ ہمیشہ حلال کمائی کی ہدایت کی ہے۔ اے مالکِ دو جہاں! اگر میرا یہ کام تجھے پسند ہے تو اس بھاری پتھر کو غار کے منہ سے ہٹا کر ہمیں موت سے بچا لے۔'' جب اُس نے دعا ختم کی تو پتھر اپنی جگہ سے ذرا سا سرکا اور غار میں روشنی کی ایک ہلکی سی لکیر اندر آنے لگی۔ جس سے غار میں چھائے اندھیرے میں تھوڑی سی کمی ہو گئی۔

مبشر نے سجدہ ریز ہو کر دعا مانگی: ''اے رب کریم! تُو خوب جانتا ہے کہ میں نے ساری زندگی محتاج اور غریب افراد کی مدد کی ہے۔ میں نے کبھی بھی اپنے گھر پر آئے کسی سائل کو خالی ہاتھ نہیں جانے دیا۔ میرے دروازے پر آنے والا ہر سائل خیرات لے کر جاتا ہے۔ اس لیے اے رب کریم! تو بھی ہمیں اپنے در پر آئے سائل سمجھ اور ہماری مدد فرما۔ اگر تجھے میرا یہ کام پسند ہے تو ہم کو ہلاکت سے نجات بخش دے۔ تو بہت رحم اور کرم کرنے والا ہے۔'' جب مبشر کی دعا ختم ہوئی تو پتھر ذرا سا اور سرک گیا مگر اب بھی غار سے نکلنے والا راستہ اتنا تنگ تھا کہ وہ اُس میں سے نہیں گزر سکتے تھے۔ اب مظفر نے اللہ کریم کی بارگاہ میں دعا کے لیے ہاتھ بلند کیے اور بولا: ''یا الٰہی! تُو خوب جانتا ہے۔ پوری کائنات کی کوئی بھی چیز تجھ سے پوشیدہ نہیں ہے۔ تیری ہر شے پر نظر ہے۔ میں بکریاں چراتا ہوں۔ سارا دن بکریاں چرا کر جب گھر واپس آؤں تو بکریوں کا دودھ دوہتا ہوں اور وہ دودھ سب سے پہلے اپنے بوڑھے ماں باپ کو پلاتا

ہوں۔ اُن کو دودھ پلانے کے بعد اپنے بیوی بچوں کو دیتا ہوں۔ میرے اس فعل سے میرے والدین مجھ سے راضی ہیں۔ اگر میرا یہ کام تجھے پسند ہے تو ہماری مدد فرما اور ہمیں اس مصیبت سے بچالے۔'' مظفر نے دعا ختم کی تو پتھر پھر سرکا اور وہ لڑھک کر نیچے جا گرا۔ اب غار کا منہ پورا کُھل چکا تھا۔ ان تینوں نے جب غار کا منہ کُھلا دیکھا تو فوراً بارگاہ الٰہی میں شکر ادا کرنے کے لیے سجدہ ریز ہو گئے۔ اُن کے لبوں پر شکر کے کلمات اور آنکھوں میں آنسو تھے۔ اُن کی دعائیں قبول ہو گئی تھیں۔ اب طوفانی بارش بھی تھم چکی تھی اور باہر کا موسم بہت خوشگوار ہو گیا تھا۔

وہ تینوں فوراً غار سے باہر آئے اور اپنا سفر جاری رکھتے ہوئے دوبارہ چل پڑے۔

اچھے بچو!

ہر مشکل گھڑی میں اللہ کریم سے دعا مانگنی چاہیے۔ بے شک وہ ذات سب کی دعائیں قبول فرمانے والی ہے۔

✪ ✪ ✪

تکبر کا انجام

سورج اور ہوا ایک دوسرے کو نیچا دکھانے کے لیے روزانہ بحث کرتے رہتے تھے۔ ہوا کہتی کہ وہ سورج سے زیادہ طاقت ور ہے۔ جہاں بھی ہوا تیزی سے گزرتی وہاں سے کئی درخت، جھونپڑیاں اور بڑے بڑے اشتہاری بورڈ اُکھاڑ دیتی ہے۔ ہوا کو اپنی طاقت پر اتنا غرور تھا۔ وہ روزانہ سورج کو تنگ کرنے کے لیے اپنی طاقت کا ذکر چھیڑ لیتی۔ سورج بہت معصوم اور سُلجھا ہوا تھا۔ اُس نے کئی بار ہوا کو زیادہ تکبر اور غرور کرنے سے روکا مگر ہوا پر سورج کی کسی بھی نصیحت کا اثر نہ ہوا۔ ہوا کا جب دل چاہتا اپنی طاقت کا مظاہرہ کرتی، جس سے کئی بار کھیتوں میں اُگی فصلیں خراب ہو جاتی تھیں۔ ہوا کبھی معمول کے مطابق چلتے ہوئے یک دم تیز ہو جاتی اور کسی بھی راہگیر کے سامان کو اُڑا کر لے جاتی۔ جبکہ سورج ہمیشہ اپنے وقت پر اُبھرتا اور اپنے معمول کے مطابق گرمائش اور روشنی بانٹ کر رات کے وقت آرام کرنے لگ جاتا۔ سورج ہمیشہ ہوا کو سمجھاتا کہ ''بی ہوا! تم اپنی طاقت پر زیادہ غرور مت کیا کرو۔ غرور اللہ کریم کو سخت ناپسند ہے۔ عاجزی اور اِنکساری پر قدرت بہت مہربان رہتی ہے مگر ہوا پر ہمیشہ کی طرح سورج کی کسی بھی بات کا اثر نہ ہوتا اور وہ جب موقع ملتا اور دل چاہتا اپنی تمام طاقت کا مظاہرہ کرنے لگ جاتی۔

ایک روز ہوا کہ قریبی عزیز شمال کی طرف سے آ گئی۔شمالی ہوا تو ویسے بھی نہایت تیز اور طاقت ور ہوتی ہے۔ ہوا نے اپنے عزیز کو سورج کی تمام باتیں اور نصیحتیں مزے مزے سے سنائیں اور سورج کی باتوں کا خوب مذاق اُڑایا۔شمالی ہوا نے بھی سورج کی باتوں کو ہنسی مذاق میں بدل دیا اور فیصلہ کیا کہ کسی روز ہوا اپنے دوست سورج کو مقابلہ کرنے کا کہے۔ تا کہ روز روز کی بحث ختم ہو جائے اور ہوا کی طاقت کا سورج کو خوب اندازہ ہو جائے۔ ہوا کو تو جیسے ایک سہارا مل گیا تھا۔اُس نے شمالی ہوا سے کہا کہ وہ ابھی سورج کے پاس جاتی ہے اور مقابلہ کرنے کا کہتی ہے۔ہوا سورج کو مقابلہ کرنے کا کہنے کے لیے چل پڑی تو شمالی ہوا نے مقابلے کی تیاری کرنا شروع کر دی۔ ہوا نے ابھی آدھا سفر کیا تھا کہ اُسے سورج وہیں مل گیا۔سلام کرنے کے بعد ہوا نے سورج کو مقابلہ کرنے کی دعوت دی۔سورج نے ایک بار پھر ہوا کو غرور اور تکبر چھوڑنے کا مشورہ دیا مگر ہوا مقابلہ کرنے پر بضد رہی۔ خیر سورج نے مقابلہ کرنے کا فیصلہ کرلیا۔سورج اس مقابلے کے لیے بالکل تیار نہیں تھا مگر وہ ہوا کا تکبر اور غرور ختم کرنا چاہتا تھا۔ہوا سورج کی طرف سے مقابلہ کرنے کا فیصلہ سُن کر فوراً واپس پلٹی اور شمالی ہوا کو مقابلہ کرنے کے لیے بھیج دیا۔ جب شمالی ہوا سورج کے سامنے آئی تو سورج نے ہنس کے اُس سے کہا: ''اے ہواؤ! تم کو کیا ہوا ہے جو اتنی کمزور نظر آ رہی ہو؟'' شمالی ہوا جو کہ اپنی طاقت اور زور پر بہت مغرور تھی' اُس نے سورج سے کہا: ''بھائی سورج! تم پاگل ہو گئے ہو، بھلا میں کیوں کمزور ہوں گی؟ لگتا ہے تم مجھے مقابلے سے بھگانا چاہتے ہو۔مگر بھائی سورج! آج مقابلہ ہر صورت میں ہوگا۔''

سورج نے ہلکا سا قہقہہ لگایا اور بولا: ''بہن! تم تو غصہ کر گئی ہو۔ اگر تم نے اپنی طاقت دکھانے کا مقابلہ کرنا ہے تو میں بھی مقابلہ کرنے کے لیے تیار ہوں۔'' سورج اور شمالی ہوا نے فیصلہ کیا کہ ان دونوں میں اصل طاقتور وہی ہوگا جو کسی راہگیر کو کپڑے اُتارنے پر مجبور کر دے گا۔ اتنی دیر میں ایک راہگیر ہاتھ میں بیگ پکڑے گزر رہا تھا کہ شمالی ہوا نے سورج کو کہا: ''لو بھائی سورج! مقابلہ شروع ہونے کا وقت آ گیا ہے۔ راہگیر بھی آ گیا ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ کون طاقتور ہے؟'' ہوا اپنی پوری قوت اکٹھی کر کے زور زور سے پھونکیں مارنے لگی۔ راہگیر نے ہاتھ میں پکڑا بیگ مضبوطی سے تھام لیا۔ بیگ میں راہگیر نے گرم چادر اور جیکٹ رکھی ہوئی تھی۔ جب تیز ٹھنڈی ہوا چلی تو راہگیر نے بیگ کھول کر جیکٹ پہن لی اور سُکڑ کر چلتا رہا۔ شمالی ہوا راہگیر کی بدلتی ہوئی حالت دیکھ کر اپنی باقی طاقت اکٹھی کر کے پھر زور زور سے پھونکیں مارنے لگی۔ راہگیر کپڑے اُتارنے کی بجائے جیکٹ پہنے چل رہا تھا۔ جب شمالی ہوا نے دوبارہ اپنی بھرپور طاقت سے زور دکھایا تو راہگیر نے بیگ میں رکھی چادر کو نکالا اور اپنے جسم کو اچھی طرح چادر میں چُھپا لیا۔ اُسے سخت سردی محسوس ہو رہی تھی۔ راہگیر کو چادر اُوڑھے دیکھ کے شمالی ہوا سخت پریشان ہو گئی۔ وہ تو اپنی طاقت سے راہگیر کو کپڑے اُتارنے پر اُکسانا چاہتی تھی مگر وہ تو بیگ میں رکھی چادر اور جیکٹ نکال کر سردی سے بچنے کی کوشش کر رہا تھا۔

اب سورج کی باری تھی۔ اُس نے آہستہ آہستہ اپنی دھوپ کو تیز کرنا شروع کر دیا۔ سورج جوں جوں اپنی تپش بڑھا رہا تھا' موسم میں گرمی بڑھ رہی تھی۔ راہگیر اس صورتِ حال

سے سخت پریشان ہوگیا کہ آج کتنا عجیب دن ہے؟ ابھی کچھ دیر پہلے سخت سردی محسوس ہو رہی تھی اور اب آہستہ آہستہ گرمی لگنا شروع ہوگئی ہے۔ راہگیر نے اپنے گرد لپٹی چادر اُتاری اور اچھی طرح تہہ کر کے بیگ میں دوبارہ رکھ دیا۔ چند قدم چلنے کے بعد اُسے مزید گرمی محسوس ہوئی تو اُس نے جیکٹ اُتار لی اور وہ بھی تہہ کر کے بیگ میں رکھ لی۔ سخت گرمی سے راہگیر کا بُرا حال ہو رہا تھا۔ اُس نے ادھر اُدھر دیکھا تو قریب ہی ندی بہتی نظر آئی۔ راہگیر نے بیگ ایک طرف رکھا اور اپنی قمیص اُتار کر فوراً ندی میں چھلانگ لگا کر گرمی کی شدت کم کرنے لگا۔ راہگیر نے ندی میں نہانے کے بعد کچھ سکون محسوس کیا۔ گرمی کی وجہ سے اُس کا چہرہ مُرجھا چکا تھا۔ ندی میں نہانے کے بعد اُس کا چہرہ کھل اُٹھا اور وہ ندی میں خوب اچھی طرح نہانے لگا۔ شمالی ہوا نے اپنے غرور اور تکبر کا یہ انجام دیکھا تو بے حد شرمندہ ہوئی۔ اُس نے بی ہوا کو بھی بُلا لیا اور دونوں نے مل کے سورج سے اپنے رویئے کی معافی مانگ لی اور آئندہ کبھی بھی اپنی طاقت پر غرور نہ کرنے کا وعدہ کرلیا۔ سورج کا چہرہ بھی مسکرانے کے بعد کھل اُٹھا کیوں کہ اُس نے اپنی عاجزی اور انکساری سے غرور اور تکبر کو شکست دے دی تھی۔

اچھے بچو!

وہی لوگ اچھے ہوتے ہیں جو تکبر اور غرور سے بچتے ہیں، ہمیشہ عاجزی اور انکساری سے رہتے ہیں۔

✪ ✪ ✪

بھلائی کی تبدیلی

ایک سلطنت کا بادشاہ بہت ظالم اور بے حد بے رحم تھا۔ اپنی رعایا پر ظلم اور بے رحمی کی انتہا کرنا اس کا مشغلہ بن چکا تھا۔ ہر وقت غصہ اور بدزبانی کرنا اس کی عادت تھی۔ جب سے بادشاہ نے سلطنت کی بادشاہت سنبھالی تھی اُس دن سے رعایا کا سانس لینا بھی مشکل ہو گیا تھا۔ اگر کوئی سائل انصاف کے حصول کے لیے بادشاہ کے دربار میں آتا تو اُسے انصاف دلانے کی بجائے قید کر لیتا تھا۔ پھر اپنے سپاہیوں کو حکم دیتا کہ اس پر تشدد کرنا شروع کرو جیسے وہ اس سلطنت کا رہنے والا نہیں بلکہ کسی دشمن کا ساتھی ہو۔ بادشاہ کی رعایا اس کے اس رویے سے ہمیشہ ڈرتی رہتی اور بے بس اور بے سہارا ہو کر ظالم بادشاہ کا ظلم سہتی رہتی۔ بادشاہ نے رعایا کی بہتری کے اقدامات کرنے کی بجائے اُن پر مختلف ٹیکس لگا رکھے تھے۔ بازاروں میں کھانے پینے کی اشیاء کی تنگی کروادی۔ جس سے رعایا فاقے کرنے پر مجبور ہو گئی تھی۔ بادشاہ کی رعایا ان ظلم وستم سے اتنی بے زار ہو گئی کہ وہ بادشاہ کی موت کی بددعا کرنے لگی۔ رعایا اپنی عبادت کے بعد بادشاہ کے لیے ایسی دعائیں مانگتی جن سے وہ ایسے ظالم حکمران سے جان چھڑا سکے۔

بادشاہ اپنی رعایا کو پریشان اور بددعائیں کرتے دیکھ کر بہت خوش ہوتا اور رعایا پر مزید

سختی کر دیتا، جس سے رعایا کو سخت تنگی ہوتی۔ بادشاہ نے اپنے محل میں سائلوں پر ظلم کرنے کے لیے خصوصی کمرے بنوا لیے جہاں پر قیدیوں کو لا کر بے پناہ تشدد کیا جاتا تھا۔ قیدیوں کی چیخ وپکار سے قید خانے گونجنے لگتے اور بادشاہ اپنے کمرے میں بیٹھا ان آوازوں سے خوش ہوتا رہتا۔

ایک دن بادشاہ اپنے سپاہیوں کے ساتھ جنگل میں شیر کے شکار کے لیے گیا۔ صبح سے رات تک اُس نے خوب جی بھر کر شکار کیا۔ جب رات کو شکار سے واپس آیا تو صبح سورج نکلنے کے بعد اُس نے پورے ملک میں مُنادی کروائی۔ آج سے پہلے آپ پر جو بھی ظلم وستم ہوا ہے، اس کی تلافی ناممکن ہے۔ جس کسی کو بھی مجھ سے یا میرے سپاہیوں سے دُکھ پہنچا ہے، میں اُس کی معافی مانگتا ہوں۔ اب رعایا آنے والے دنوں کے لیے مطمئن رہے۔ اب کسی کی حق تلفی نہیں ہوگی اور نہ ہی کسی پر کوئی ظلم ہوگا۔ اگر میرا کوئی سپاہی کسی کو تنگ کرے یا بلاوجہ مارے وہ سیدھا میرے پاس آجائے۔ میں خود اُس سپاہی کو سزا دوں گا۔'' بادشاہ نے ذخیرہ کیا ہوا تمام اناج رعایا میں بانٹ دیا اور بلاوجہ ٹیکس بھی ختم کر دیئے۔ بادشاہ نے منادی کراتے وقت اپنے تمام جرموں کا اعتراف بھی کر لیا کہ وہ اپنے گزشتہ اعمال پر شرمندہ ہے آئندہ رعایا کا خاص خیال رکھا جائے گا اور اُس کا دروازہ اپنی رعایا کی بہتری اور انصاف کے حصول کے لیے ہر وقت کُھلا ہے۔ بادشاہ نے اپنے گزشتہ دور کے تمام مظالم پر رعایا سے ہاتھ جوڑ کر معافی مانگی تو رعایا حیران رہ گئی۔ بادشاہ نے عہد کیا کہ وہ رعایا کا خاص خیال رکھے گا۔ کسی پر کوئی ظلم نہیں ہو

گا۔رعایا کی فلاح و بہبود کے لیے اپنی تمام صلاحیتیں بروئے کار لاتے ہوئے ملک کی ترقی میں اضافہ کرے گا۔میں ایسے تمام کاموں کی حوصلہ افزائی کروں گا جس سے رعایا کے حقوق کی ادائیگی ہوتی ہو۔

بادشاہ کی اچانک اور غیر متوقع منادی سن کر رعایا میں ہلچل مچ گئی۔لوگ اپنے بادشاہ کی بُری عادتوں کو خوب جانتے تھے۔اس منادی کے بعد بھی وہ اسے بادشاہ کی کوئی نئی شرارت یا چال سمجھتے رہے۔انھیں یقین نہیں آرہا تھا کہ بادشاہ کی ظالمانہ زندگی میں ایسی مثبت تبدیلی بھی آسکتی ہے؟ جس سے بادشاہ ظلم وستم سے توبہ کر کے رعایا کا خیرخواہ اور ہمدرد بن جائے گا۔مگر آنے والے دنوں نے بادشاہ کے قول وفعل میں اس تبدیلی کو یقین میں بدل دیا۔رعایا جو اپنے بادشاہ سے سخت نفرت کرتی تھی اور اس کی بربادی کے لیے ہمیشہ بددعا کرتی رہتی تھی، وہی رعایا اب بادشاہ کے لیے بے شمار دعائیں مانگنے لگ گئی اور بادشاہ کی لمبی عمر کی دعائیں کرنے لگی رعایا دن رات اپنے بادشاہ کی سلامتی کے لیے دعا مانگنا شروع ہوگئی۔رعایا امن وامان سے زندگی گزارنے لگی۔بادشاہ کے تمام مشیر اور وزیر بھی حیران تھے کہ بادشاہ میں یہ بھلائی کی تبدیلی کیسے آگئی؟ وہ بادشاہ کی اچانک تبدیلی کے متعلق گفتگو کرتے رہتے۔بادشاہ نے تمام بے گناہ قیدیوں کو بھی رہا کر دیا۔بادشاہ اب ہر وقت توبہ استغفار کرتا رہتا اور کسی پر ذرا سا بھی ظلم برداشت نہ کرتا تھا۔

آخر ایک دن بادشاہ کے چہیتے اور بہت قریبی مشیر نے اس تبدیلی کی وجہ بادشاہ سے

پوچھ لی۔ ”جہاں پناہ! میں اپنی جان و مال کی امان چاہتا ہوں۔ آپ سے سوال کروں؟ چند روز سے ہم مشیروں اور وزیروں میں بہت بے چینی سی ہے۔“ بادشاہ نے مسکراتے ہوئے اجازت دے دی۔ مشیر نے کہا: ”عالی جاہ! عالی مرتبت! آپ کی سلامتی میں برکت ہو اور آپ کا سایہ ہم پر قائم رہے۔ آپ کے تمام وزیروں اور مشیروں کے ساتھ آپ کی رعایا سمیت سب لوگ منادی کے بعد سے آپ میں ہونے والی تبدیلی کی وجہ جاننا چاہتے ہیں۔ جو لوگ آپ کی بربادی اور مر مٹنے کی بددعا کرتے تھے اَب وہی آپ کی درازی عمر اور کامیابی کے لیے دعا گو ہیں۔ یہ معمہ حل کریں۔“ ”یہ تبدیلی اُس وقت سے ہے جب ہم سب شکار کرنے گئے تھے اور واپس آکر میرا ظالمانہ رویہ بالکل تبدیل ہو گیا تھا۔ میں جب چند سپاہیوں کے ساتھ آپ سے آگے چلا گیا تو کیا دیکھتا ہوں ہمارا ایک شکاری کتا خرگوش کے پیچھے بھاگ رہا ہے۔ پھر کتے نے خرگوش کی ٹانگ پکڑ لی۔ خرگوش اپنی جان بچانے کے لیے تڑپا اور کسی طریقے سے اپنی ٹانگ کتے کے منہ میں چھوڑ کر لنگڑاتا ہوا اپنی جان بچا کر بھاگ کر جھاڑیوں میں چھپ گیا۔ میں یہ تمام منظر اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا تھا۔ میرے ایک سپاہی نے محض دل لگی کے طور پر زمین سے ایک پتھر اٹھایا اور گھما کر کتے کو مار دیا۔ جو سیدھا کتے کے سر پر لگا اور اُس کا سر پھٹ گیا۔ ایک دوسرے سپاہی کا گھوڑا زخمی کتے کی خوف ناک چیخیں سن کر بدک گیا اور اپنی رسی چھڑوا کر بھاگ گیا۔ کتے کو پتھر مارنے والا سپاہی اس بدکے ہوئے گھوڑے کی زد میں آکر بُری طرح گرا اور گرتے ہی اُس کی ٹانگ کی ہڈی ٹوٹ گئی۔ وہ وہیں گر کر درد کی شدت سے

تڑپنے لگا۔سپاہی زمین پر بُری طرح تڑپ رہا تھا۔اس سے پہلے کہ میں یا سپاہی اُس کی طرف جاتے، میں نے دیکھا کہ وہ بدکا ہوا گھوڑا زیادہ دور نہیں گیا تھا کہ وہ بھی پاؤں پھسلنے کی وجہ سے ایک گڑھے میں گرا اور اس کی بھی ٹانگ ٹوٹ گئی جس سے وہ بھی وہیں گر کر بُری طرح تڑپنے لگا۔میں یہ سارا ماجرا اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا تھا۔سارا واقعہ میری حالت کو تبدیل کر چکا تھا۔اس واقعہ نے میرے دل پر اتنا گہرا اثر کیا اور میری نظروں کے سامنے میرے اپنے تمام ظلم وستم اور رعایا کو تنگ کرنے والے اعمال آ گئے۔میری اپنی حیثیت بالکل مجرم جیسی ہو گئی۔میرے دماغ میں تمام بے رحمیوں کے مناظر آنے لگے۔میں اسی وقت سمجھ گیا کہ اس دُنیا میں بُرے کام کا نتیجہ فوراً مل جاتا ہے اور یہ بھی جان لیا کہ بدی کا انجام ہمیشہ بدی ہی ہوتا ہے

بس یہ وجہ تھی میں نے اس دن سے اپنی رعایا کی بہتری اور اس کے سکون کے لیے اپنی زندگی وقف کر دی تا کہ آنے والے وقت میں مجھے بدی کا سامنا نہ ہو۔

اچھے بچو!

ہمیشہ اچھا رویہ رکھو تا کہ آپ سے بھی اچھا رویہ ہو۔

✪ ✪ ✪

فیٹو گیا پھنس

فیٹو بڑا شرارتی اور کھانے پینے کا شوقین چوہا تھا۔ جب بھی موقع ملتا خوب جی بھر کر کھالیتا تھا۔ اُس کے دوستوں نے کئی بار کہا کہ کم کھایا کرو تا کہ موٹاپے سے بچ جاؤ مگر وہ جب مزے دار کھانا دیکھتا تو اُس پر ٹوٹ پڑتا اور خوب پیٹ بھر کر کھالیتا۔ جس کی وجہ سے وہ موٹا بھی ہوتا جا رہا تھا۔ اُس نے کئی مرتبہ کم کھانے کا سوچا مگر کم کھانا اُس کے بس میں نہیں تھا۔ اس وجہ سے جس گھر میں وہ رہتا تھا' اُس کے مالک نے کھانے کی تمام چیزیں مٹی کے مرتبانوں میں ڈال کر رکھ دی تھیں۔ اس وجہ سے فیٹو بہت تنگ ہوا' کیونکہ اُس کو کھانا بہت کم ملتا تھا۔

کئی دن وہ کم کھانے پر گزارہ کرتا رہا۔ جس کی وجہ سے وہ کافی کمزور ہو گیا۔ آخر اُس نے کسی اور جگہ جانے کا سوچا تا کہ خوب کھا سکے مگر ہر گھر میں لوگوں نے کھانے کی چیزیں برتنوں میں ڈھانپ کر رکھی ہوئی تھیں یا الماری میں رکھ کر اسے تالا لگا رکھا تھا۔ فیٹو کئی گھروں میں گیا اور کھانے کے لئے کچھ ڈھونڈتا رہا' مگر کچھ نہ ملا۔ اس طرح وہ کئی دن بھوکا رہنے کی وجہ سے سوکھ کر کانٹا ہو گیا۔

اُس نے دل میں سوچا کہ اگر اسی طرح کھانے کے لئے کچھ نہ ملا تو وہ بھوکا مر جائے گا۔ اس لئے اُس کو کہیں اور جا کر کھانا ڈھونڈ نا چاہیے۔لہٰذا وہ اناج ڈھونڈنے کے لئے چل پڑا۔ اسے کسی جگہ کھانے کی کوئی چیز نظر نہیں آئی۔ وہ بہت پریشان ہوا۔ابھی فیٹو یہ سوچ رہا تھا کہ اُس کو اناج کی خوشبو محسوس ہوئی۔اُس نے پچھلی ٹانگوں پر کھڑے ہو کر سر اُونچا کر کے خوشبو سونگھی تو بھوک سے اُس کا بُرا حال ہو گیا۔اب وہ خوشبو سونگھتا ہوا اناج کو تلاش کرنے لگا۔

آخر تھوڑی دیر ادھر اُدھر تلاش کرنے سے اُس کو ایک بڑا مرتبان نظر آیا۔جس میں چھوٹا سا ایک سوراخ تھا۔فیٹو اب بہت کمزور ہو چکا تھا اس لئے وہ سوراخ کے ذریعے آسانی سے مرتبان میں چلا گیا۔وہاں پہنچ کر وہ بہت خوش ہوا اور فوراً اناج پر ٹوٹ پڑا وہ کئی دن سے بھوکا تھا اس لئے خوب منہ بھر بھر کر کھانے لگا۔فیٹو کو تو جیسے کوئی خزانہ مل گیا تھا' جس سے وہ جلد از جلد اپنا پیٹ بھرنا چاہتا تھا۔اس چکر میں فیٹو کو اپنے پیٹ کی گنجائش کا بھی خیال نہ رہا اور وہ اس قدر کھا گیا کہ اُس کا پیٹ پُھول کر ''کپّا'' ہو گیا۔اور کھا' کھا کر تھک گیا تو اس نے سوچا کہ باقی وہ کل آ کر کھا لے گا۔اس لئے گھر واپس جانا چاہیے' مگر جب وہ سوراخ تک پہنچا اور باہر نکلنے کی کوشش کی تو وہ سوراخ سے باہر نہ نکل سکا۔کئی بار ناکام کوشش کے بعد وہ تھک کر ایک طرف بیٹھ گیا۔

اتنی دیر میں ایک اور چوہا مرتبان کے پاس سے گزرا تو فیٹو نے اُسے آواز دی۔ وہ فیٹو کی آواز سن کر رُک گیا اور پوچھا کیا بات ہے؟ فیٹو نے اُس کو ساری بات بتا دی تو وہ ہنس کر بولا:

''اب اُس وقت تک مرتبان میں رہو جب تک دوبارہ دُبلے نہیں ہو جاتے۔ کیونکہ پُھولے ہوئے پیٹ کی وجہ سے سوراخ سے نکلنا بہت مشکل ہے۔ اس لئے مرتبان میں رہو، کھاتے رہو اور موج کرو۔'' یہ کہہ کر چوہے نے ایک قہقہہ لگایا اور آگے بڑھ گیا۔

فیٹو نے چوہے کی بات سُنی تو سوچنے لگا: ''واقعی کسی بھی کام کو شروع کرنے سے پہلے اُس کا انجام سوچ لینا چاہیے ورنہ میرے جیسا حشر ہوتا ہے۔ اب معلوم نہیں مجھے اور کتنے دن یہاں پھنسے رہنا پڑے گا''۔

اچھے بچو!

کوئی بھی کام کرنے سے پہلے اس کا نتیجہ سوچ لینا چاہیے۔

✪ ✪ ✪

گدھا بنا شیر

خوبصورت جانوروں سے بھرے جنگل میں ایک گدھا ہری بھری گھاس چر رہا تھا۔ اس کو خوب بھوک لگی ہوئی تھی۔ ہری بھری گھاس دیکھ کر وہ جلدی جلدی اسے چرنے لگا، گھاس کھاتے ہوئے اچانک گدھے کی نظر ایک صندوق پر پڑی۔ گدھے کے دل میں خیال آیا کہ ہوسکتا ہے کسی نے مزے دار گھاس کاٹ کر صندوق میں باندھ کر رکھی ہوئی ہو۔ گدھے نے زمین پر اُگی گھاس کو چھوڑا اور اپنے منہ اور ٹانگوں سے صندوق کھولنے لگا۔ جب صندوق کھلا تو گدھا حیران رہ گیا۔ کیونکہ صندوق میں گھاس کی جگہ شیر کی کھال پڑی ہوئی تھی۔ شیر کی کھال دیکھ کر گدھا بہت پریشان ہوا۔ مگر اس کے دماغ میں ایک خیال آیا کہ وہ اس کھال کو پہن کے دیکھے تو سہی۔ قریب ہی صاف شفاف پانی کی ندی بھی بہہ رہی تھی، جس کے پانی میں گدھا اپنا عکس دیکھ سکتا تھا۔ اتنے خوب صورت خیال نے اس کو شیر کی کھال پہننے پر مجبور کردیا۔ گدھے نے اِدھر اُدھر دیکھ کر فوراً شیر کی کھال پہنی اور ندی کی طرف چل پڑا۔ ندی کے پانی میں جھک کر جب گدھے نے اپنا عکس دیکھا تو خود بھی ڈر گیا۔ وہ تو بالکل شیر ہی لگ رہا تھا۔ شیر کی کھال پہن کر گدھا خود کو شیر سمجھنے لگا۔ گدھے نے سوچا کہ کیوں نہ میں جنگل کے جانوروں کو

ڈراؤں؟ جب جنگل کے معصوم جانور مجھے شیر سمجھ کر ڈر کر بھاگیں گے تو کتنا مزہ آئے گا؟ لومڑی کو تو جی بھر کر ڈراؤں گا جو مجھے روزانہ تنگ کرتی رہتی ہے۔ بندروں کو بھی بھاگنے پر مجبور کروں گا۔ گدھا جب شیر کی کھال پہن کر جنگل میں آیا تو تمام جانور ڈر کے مارے اِدھر اُدھر بھاگنے لگے۔ بندر خوب شور مچاتے ہوئے ایک دوسرے درخت پر بھاگے۔ خرگوش لمبی چھلانگیں لگاتا ہوا اپنے بل میں گھس گئے۔ پرندے بھی شور مچاتے ہوئے اِدھر اُدھر اُڑ نے لگے۔ اتنی دیر میں لومڑی بھی اس طرف آ گئی۔ لومڑی نے جب شیر کو اپنے سامنے دیکھا تو دونوں ہاتھ باندھ کر باادب ہو کر کھڑی ہوگئی۔ گدھا اس صورتحال سے دل ہی دل میں خوش ہو نے لگا۔ گدھے نے دل میں سوچا کہ اب مزا آئے گا۔ میں اب پورے جنگل کا بادشاہ بن جاؤں گا، روزانہ ہری بھری گھاس میرے پاس ہوگی۔ تمام جانور میرا حکم مانیں گے۔ ابھی گدھا یہ سب سوچ رہا تھا کہ اس کے دل میں یہ بات آئی، کیوں نہ میں شیر کی طرح دھاڑ کے دیکھوں؟ جب میں دھاڑوں گا تو تمام جانور پھر سے خوفزدہ ہو جائیں گے۔ پھر تو اور بھی مزہ آئے گا۔ گدھے نے دھاڑنے کے انداز میں منہ کھولا اور لگا ڈھینچوں، ڈھینچوں کرنے۔ سب جانور گدھے کو فوراً پہچان گئے۔ اس صورتحال سے گدھا پریشان ہوا اور جنگل کے جانور ہنسنے لگے۔ سب جانور گدھے کا خوب مذاق اُڑانے لگے۔ یہی وجہ ہے کہ آج بھی گدھے کو بیوقوفی کی علامت سمجھا جاتا ہے۔

اچھے بچو! انسان کی پہچان اس کا لباس نہیں، اس کی شخصیت ہوتی ہے۔

✪ ✪ ✪

مغروری سے بچو!

باجی ثمینہ کو کھانا پکانے کا بہت شوق تھا۔ ان کو مختلف انداز میں کھانا پکانے سے جنون کی حد تک لگاؤ تھا۔ سب گھر والے بھی خوش تھے کہ چلو اسی بہانے کوئی مزے دار کھانا یا سویٹ ڈش کھانے کو مل جاتی ہے۔ باجی ثمینہ دن کا اکثر وقت باورچی خانے میں گزارتی تھی۔ ان کے کمرہ میں دنیا بھر کے مشہور کھانوں کی ترکیبوں کی کتابیں موجود تھیں۔ ثمینہ باجی کبھی چوکور پراٹھے، آلو والا پراٹھا، دال والا پراٹھا اور کبھی پراٹھے پر بادام، پستہ اور میوہ لگا کر میٹھا پراٹھا پکا کر بچوں سے خوب داد لیتی تھیں۔

ایک دن ثمینہ باجی گھر میں فارغ بیٹھی تھیں کہ اُنھوں نے سوچا آج باورچی خانے میں کوئی خاص چیز بنانی چاہیے۔ یہ سوچ کر وہ اُٹھیں اور باورچی خانے میں چلی گئیں، جہاں پر آلو، ادرک، پیاز پڑے تھے۔ باجی ثمینہ ادرک اور آلو پکڑے کچھ سوچنے لگ گئیں۔ پھر اچانک اُن کی آنکھوں میں چمک آئی اور وہ ادرک اور آلو کاٹ کر آدمی بنانے لگیں۔ ثمینہ باجی نے تیز چُھری لی اور پہلے آلو کو چھیلا اور درمیان سے کاٹ کر آدمی کی جسامت بنانے لگیں۔ پھر انہوں نے ادرک پکڑا اور اُسے بھی آدمی کی طرح کاٹنا شروع کر دیا۔ ان دونوں کو خوب محنت سے

کاٹ کر اُنہوں نے کالی مرچ کے ذریعے اُن کی آنکھیں بنائیں اور چینی لگا کر آلو کو واسکٹ اور ادرک کو کوٹ پہنا دیا۔اب جب اُنہوں نے ادرک اور آلو کے بنے آدمی دیکھے تو خوشی سے جھوم گئیں۔اب اُنہوں نے اوون آن کیا اور ایک ٹرے میں آلو اور ادرک کے آدمی رکھ دیئے۔ اس سے پہلے کہ وہ اوون کا دروازہ بند کرتیں کہ اچانک گڑگڑاہٹ کی آواز آئی اور کسی نے مدد کے لیے پکارا: ''مجھے بچالو' میری مدد کرو۔مجھے گرم اوون میں بند نہ کرو۔''

ثمینہ باجی نے اوون کی طرف دیکھا تو ادرک اور آلو ٹرے سے اُٹھے اور چھلانگ لگا کر باہر کی طرف دوڑ پڑے۔دونوں ایک دوسرے سے آگے نکلنے کے لیے تیز دوڑ رہے تھے۔ باجی ثمینہ حیران و پریشان کھڑی یہ سارا ماجرہ دیکھ رہی تھیں۔اتنی دیر میں ادرک اور آلو گھر کا کھلا دروازہ دیکھ کر باہر نکل گئے۔باجی ثمینہ کی سمجھ میں کچھ نہ آیا اور وہ بھی ان کے پیچھے بھاگیں۔

بھاگتے بھاگتے ادرک اور آلو نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو بولا: ''تم ہمارے پیچھے کیوں بھاگ رہی ہو؟ کب تک ہمارے پیچھے بھاگو گی؟ ہم تمہارے ہاتھ نہیں آئیں گے' تم واپس گھر چلی جاؤ۔ہمارا پیچھا نہ کرو۔'' ادرک اور آلو بہت تیز بھاگ رہے تھے۔اتنی دیر میں ایک گائے نے اُن دونوں کو دیکھا اور چارہ چھوڑ کر ان کے پیچھے دوڑنے لگی۔گائے نے کہا کہ میں ان دونوں کو کھالوں گی۔روزانہ چارہ کھا کر پیٹ خراب ہو چکا ہے۔آج ادرک اور آلو کھا کر ہاضمہ درست کر کے اپنے منہ کا ذائقہ درست کرلوں گی۔ادرک اور آلو نے گائے کی آواز سنی تو خوف زدہ ہو کر مزید تیز بھاگنے لگے۔دونوں بھاگتے ہوئے کچھ دور ہی گئے تھے کہ اُنہیں بھیڑ نظر آئی'

جو اُن کی طرف دیکھ کر مسکرا رہی تھی۔ آلو نے بھیڑ سے ہنسنے کی وجہ پوچھی تو وہ بولی میں نے آج ہی سوچا تھا کہ ادرک اور آلو کھاؤں گی۔ اب جب تم دونوں کو دیکھا ہے تو میں سوچنے لگ گئی میری دعا قبول ہوگئی ہے جو تم دونوں میرے سامنے آگئے ہو۔ ادرک اور آلو نے بھیڑ کی بات سنی تو فوراً بھاگ پڑے۔ بھیڑ بھی اُن کے پیچھے دوڑنے لگی۔ تھوڑا فاصلہ طے کرنے کے بعد اُنہیں ایک گھوڑا ملا۔ گھوڑا ادرک اور آلو کو انسانی شکل میں دیکھ کر بہت حیران ہوا اور بولا: ''تم دونوں کتنے پیارے لگ رہے ہو۔ میں تم دونوں کو کھاؤں گا۔'' ادرک نے لمبا سانس لیا اور بولا: ''تم نے ہمیں کیا کھانا ہے؟ ہم تمہاری پہنچ سے بہت دور ہیں۔'' آلو بھی اکڑ کر بولا ہمارے پیچھے دیکھو کون کون آرہا ہے؟ یہ سب ہمیں کھانا چاہتے ہیں۔ مگر ہم اتنا اچھا دوڑتے ہیں کہ کوئی بھی ہمیں پکڑ نہیں سکا۔ اس دنیا میں کوئی بھی ایسا نہیں ہے جو ہمیں پکڑ سکے۔ یہ سب کبھی ہمیں نہیں پکڑ سکتے۔ اتنی دیر میں ایک لڑکی نے ان دونوں کو بھاگتے دیکھا تو بولی: ''ادرک اور آلو تو میں نے خریدنے ہی تھے۔ کیوں نہ ان دونوں کو پکڑ لوں۔'' یہ سوچ کر لڑکی نے آلو اور ادرک کو پکڑنے کے لیے ہاتھ بڑھایا تو ادرک نے اُس کے ہاتھ پر کاٹ لیا۔ لڑکی درد سے چیخی۔ ادرک نے کہا تم بھی ہماری دشمن ہو۔ تم ہمارے پیچھے بھاگو۔ ہمیں کوئی بھی نہیں پکڑ سکتا۔

آلو اور ادرک بھاگتے رہے۔ تھوڑی دیر بعد راستے میں ایک دریا آگیا۔ آلو اور ادرک نے اپنے پیچھے بھاگتے باجی ثمینہ، گھوڑا، بھیڑ، بکری اور لڑکی کو دیکھا تو پریشان ہوگئے۔ کیونکہ ان کو تیرنا نہیں آتا تھا۔ قریب ہی جھاڑیوں میں چھپے لومڑ نے آلو اور ادرک کی حالت دیکھی تو

اُن کے سامنے آ گیا اور بہت ہوشیاری سے بولا: ''اے میرے پیارے ساتھیو! تم دونوں کیوں پریشان ہوتے ہو؟ میں تمہاری مدد کروں گا۔تم میرے دوست ہو '' اور ادرک اور آلو نے لومڑ کی میٹھی باتوں پر اعتبار کیا اور لومڑ کی ناک پر بیٹھ گئے۔لومڑ نے دریا میں پاؤں رکھا اور آلو، ادرک کو دریا کے دوسرے کنارے لے گیا۔دونوں بہت خوش تھے کہ اُن کے پیچھے بھاگنے والوں سے اُن کی جان چھوٹی۔مگر ان دونوں کی خوشی عارضی نکلی۔چالاک لومڑ نے اُنہیں اوپر کی طرف اُچھالا اور منہ کھول لیا۔دونوں اس صورت حال سے گھبرا گئے مگر دوسرے ہی لمحے دونوں لومڑ کے منہ میں جا چکے تھے۔لومڑ نے خوب مزے لے کے ادرک اور آلو کو چبانا شروع کر دیا۔آلو اور ادرک کی ناک پر لگی چینی اور کالی مرچ نے لومڑ کے منہ کا ذائقہ دوبالا کر دیا۔ اس طرح ادرک اور آلو کو اپنی طاقت کے غرور کا انجام مل گیا۔

اچھے بچو!

کبھی اپنی طاقت پر غرور نہیں کرنا چاہیے۔ورنہ اس کا انجام بہت بُرا ہوتا ہے۔

✪ ✪ ✪

تحفے کا نام نہ لو

کسی جنگل میں ایک بھیڑیا رہتا تھا۔ جس کا نام ''ولفی'' تھا۔ وہ بہت تیز طرار اور شرارتی تھا۔ روزانہ کسی نہ کسی جانور کو تنگ کرتا رہتا تھا۔ اگر کوئی پرندہ آرام کرنے کے لئے کسی سایہ دار درخت کے نیچے آکر بیٹھ جاتا تو وہ اُس کو ڈرانے کے لئے عجیب سی آواز نکالتا۔ اور اس پر ہنسنے لگتا تھا، جس سے وہ پرندہ فوراً اُڑ کر کسی اور جگہ جا کر بیٹھ جاتا تھا۔ جنگل کے تمام جانور اور پرندے ولفی کی شرارتوں اور بُری حرکتوں سے پریشان تھے۔

ولفی کی ایک عادت بہت بُری تھی۔ وہ یہ کہ جب شکار کرتا تو جلدی جلدی کھانے کی کوشش کرتا تھا، جس کی وجہ سے اُس کی زبان اکثر دانتوں کے نیچے آکر زخمی ہو جاتی تھی۔ پھر وہ درد کی وجہ سے کئی دن بھوکا رہ لیتا مگر جلدی جلدی کھانے کی عادت کو نہ چھوڑتا۔ اُس کے امی ابو نے کئی مرتبہ سمجھایا کہ بیٹا ٹھنڈی کر کے آرام سے کھاتے ہیں۔ مگر وہ کھانا جلدی جلدی کھانے کا عادی ہو چکا تھا۔ جس کی وجہ سے اکثر گلا خراب اور حلق میں درد رہتا تھا۔ مگر ولفی اپنی عادت بدلنے کی کوشش نہیں کرتا تھا۔

ایک دن ولفی شکار کرنے کے جلدی جلدی کھا رہا تھا کہ ایک ہڈی اُس کے حلق میں پھنس گئی۔ اُس نے کافی کوشش کی کہ ہڈی اُگل دے یا نگل لے مگر ہڈی حلق میں بُری طرح اَٹکی ہوئی تھی۔ ولفی نے اپنا پنجہ منہ میں ڈال کر ہڈی کو نکالنے کی کوشش کی مگر ہڈی ایسے پھنس چکی تھی کہ نکل نہیں رہی تھی۔ ولفی نے کئی مرتبہ کوشش کرلی مگر ناکام رہا۔ جب اُس کی سانس رُکنے لگی تو وہ پریشان ہوگیا۔ اب وہ سوچنے لگا کہ جلدی کھانے کی عادت واقعی بہت بُری ہے۔ لالچی کی زندگی حقیقت میں واقعی تکلیف دہ ہوتی ہے۔ اگر میری جان بچ گئی تو میں آئندہ کبھی ایسے نہیں کھاؤں گا۔

اس سے پہلے کہ ولفی سانس رُکنے سے مرجاتا اُس کو یاد آیا کہ سارس اُس کا دوست ہے۔ اُس کی چونچ بھی لمبی ہوتی ہے۔ مگر میری شرارتوں کی وجہ وہ چند دنوں سے ناراض ہے۔ اگر وہ میرے منہ میں اپنی چونچ ڈال کر ہڈی نکال دے تو میری جان بچ جائے گی۔ سارس کو کہاں ڈھونڈوں؟ ضرور وہ ندی کے کنارے بیٹھا ہوگا'' ولفی نے سوچا اور چل دیا۔

تھوڑی دیر میں وہ ندی کے کنارے پہنچ گیا۔ جہاں پر بیٹھے تمام پرندے اُس کو دیکھ کر اُڑ گئے۔ کیونکہ بھیڑیا اپنے جنگل کے پرندوں کا شکار تو نہیں کرتا تھا مگر اُن کو بلاوجہ تنگ کرتا رہتا تھا۔ سارس نے بھیڑیے کو دیکھا تو منہ دوسری طرف کرکے کھڑا ہوگیا۔ بھیڑیے نے اُس کے قریب جاکر نہایت ادب سے سلام کیا اور کہا: ''ارے یار! تم ابھی تک ناراض ہو؟ مجھے معاف

کردو۔ میں آئندہ کبھی شرارت نہیں کروں گا'' سارس ناراضگی سے بولا: ''یہ بات تم کئی بار کہہ چکے ہو مگر۔۔۔'' جب اُس نے ولفی کو غور سے دیکھا تو حیران ہو کر بولا: ''مگر تمہاری آنکھیں باہر کیوں آرہی ہیں؟ لگتا ہے تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں ہے؟ تمہاری حالت کیوں بگڑی ہوئی ہے؟'' بھیڑیے نے بڑی مشکل سے آواز نکالی اور کہا: ''اے دوست! میرے حلق میں ہڈی پھنس گئی ہے۔ تم اپنی چونچ سے نکال دو''۔ سارس نے مسکرا کر کہا: ''ٹھیک ہے' میں یہ کام کر دیتا ہوں مگر مجھے کیا تحفہ دو گے؟'' بھیڑیے نے کہا: ''تم میرے دوست ہو۔ جو کہو گے میں دے دوں گا؟'' سارس نے کہا: ''چلو ٹھیک ہے۔ مگر اپنی بات پر قائم رہنا۔ اب میرے قریب آؤ اور منہ کھولو۔ یہ کون سا مشکل کام ہے۔''

ولفی نے منہ کھولا اور سارس نے اپنی لمبی چونچ ولفی کے حلق میں ڈال کر ہڈی کو پکڑ کر باہر کھینچ لیا۔ ولفی کو ایک جھٹکا لگا اور اُس کی سانس بحال ہوگئی۔ اُس کو یوں لگا جیسے اُس کو نئی زندگی مل گئی ہے۔ ولفی نے کہا: ''سارس! تمہارا بہت شکریہ' تم نے میری زندگی بچا کر اپنی دوستی کا حق ادا کیا ہے''۔ سارس نے کہا: ''یوں جلدی کھانے کا یہی انجام ہوتا ہے۔ تمہارے دانت بھی کتنے خراب ہو گئے ہیں۔ لگتا ہے تم روزانہ دانت صاف نہیں کرتے۔''

ولفی نے دُم ہلاتے ہوئے کہا: ''واقعی میں روزانہ دانت صاف نہیں کرتا تھا اور میں نے جلدی کھانے سے بھی توبہ کر لی ہے۔'' یہ کہہ کر بھیڑیا واپس جانے لگا تو سارس نے اُس کو روک

کر کہا: ''ارے ولفی میاں! میرا تحفہ تو دیتے جاؤ۔ تم نے خود وعدہ کیا تھا کہ ہڈی نکالنے پر تم مجھے تحفہ دو گے۔'' بھیڑیے نے ایک زوردار قہقہہ لگایا اور کہا: ''تحفہ! ارے سارس بھیا! تحفے کا نام نہ لو۔ تم کو تو میرا شکریہ ادا کرنا چاہیے کہ تمہاری گردن ایک خونخوار بھیڑیئے کے حلق میں جا کر صحیح سلامت واپس نکل آئی ہے۔ زندگی بچ جانا سب سے بڑا تحفہ ہے۔'' سارس نے بھیڑیے کی بات سنی تو سوچا واقعی بھیڑیا بہت چالاک اور مطلب پرست جانور ہے۔

اچھے بچو!

مطلبی لوگوں سے تعلق نہیں رکھنا چاہیے۔ وہ صرف اپنا فائدہ سوچتے ہیں دوسروں کی پرواہ نہیں کرتے۔

✪ ✪ ✪

ایمانداری کا انعام

محمد امین بہت ایماندار اور محنتی لکڑ ہارا تھا۔ صبح سویرے اٹھ کر نماز پڑھ کر وہ اپنی کلہاڑی کاندھے پر رکھتا اور جنگل میں لکڑیاں کاٹنے چلا جاتا تھا۔ محمد امین اپنے نام کی طرح خود بھی بہت ایماندار تھا۔ پورے گاؤں میں اس کی ایمانداری کے چرچے تھے۔ اردگرد کے لوگ اس کا نام لے کر ایمانداری کی مثال دیا کرتے تھے۔ اسی ایمانداری کی وجہ سے اُسے اللہ کریم نے کسی بھی بیماری یا پریشانی سے بچا رکھا تھا۔ امین سارا دن جنگل میں لکڑیاں کاٹا رہتا اور لکڑیاں جمع کر کے بیچ دیتا تھا۔ جو رقم حاصل ہوتی اس سے اپنے گھر کے اخراجات پورے کرتا تھا۔ امین کے گھر میں اس کی بیوی اور دو بچے رہتے تھے۔ اس کی بیوی بھی اپنے شوہر کی طرح بہت ایماندار اور نیک عورت تھی۔

ایک دن امین کاندھے پر کلہاڑی رکھے جنگل کی طرف جا رہا تھا۔ ابھی وہ دریا کے پل سے گزر رہا تھا کہ اُسے شدید پیاس محسوس ہوئی۔ دریا کا صاف شفاف پانی دیکھ کر اُس کی پیاس مزید بھڑک اُٹھی۔ وہ جلدی سے پل پار کر کے دریا کے کنارے کی طرف آ گیا۔ امین نے دریا کے کنارے بیٹھ کر اپنے دونوں ہاتھوں کا پیالہ بنا کر پانی میں ڈالا اور پانی کے لیے آگے بڑھا تو

اُس کے کاندھے پر رکھی کلہاڑی دریا میں گرگئی۔ امین نے کلہاڑی بچانے کی بہت کوشش کی مگر وہ نا کام رہا۔ کلہاڑی اُس کے روزگار کا واحد سہارا تھی، جس کی وجہ سے وہ لکڑیاں کاٹ کر بیچتا تھا۔ اب اُس کے پاس اتنی رقم بھی نہیں تھی کہ وہ شہر جا کر نئی کلہاڑی خرید لیتا۔ امین نے دریا کے پانی سے دو گھونٹ پیئے اور دل کو تسلی دینے کے لیے دریا کے کنارے اُتر کر کلہاڑی ڈھونڈنے لگ گیا۔ مگر اُس کی کوشش نا کام رہی۔ اب اُس کا دل بہت گھبرا رہا تھا۔ کیوں کہ اُس کی ایمانداری کی اصل وجہ اُس کی حق حلال کی کمائی تھی۔ وہ دن رات محنت کر کے جو کچھ کماتا تھا اُس میں گزارہ کر لیتا تھا۔ اب اگر اُسے کلہاڑی نہ ملی تو وہ بے ایمانی اور امانت میں خیانت کرنے پر مجبور ہو جائے گا۔ مگر ایسا کرنا اُسے کسی صورت میں قبول نہیں تھا۔

امین آنے والے دن کا سوچ سوچ کر اتنا پریشان ہوا کہ اُس کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ اُس کی حالت اتنی بے حال ہوئی کہ وہ دریا کے کنارے سر جھکا کر رونے لگا۔ امین دریا کے کنارے بیٹھا رو رہا تھا اور اللہ کریم سے اپنی کسی غلطی کی معافی مانگ رہا تھا کہ اگر اُس سے کوئی غلطی ہو گئی ہو تو معاف فرما دے۔ امین کی چیخ و پکار اتنی بڑھی کہ اُسے اپنی حالت کا بھی خیال نہ رہا۔ ابھی وہ بُری طرح رو رہا تھا کہ دریا کے پانی سے سفید پروں والی ایک بہت ہی خوبصورت پری نکلی۔ اُس نے ہاتھ میں ستارے والی چھڑی پکڑی ہوئی تھی۔ اُس نے امین کو آواز دے کر پوچھا: ''اے نیک انسان! تم کو کیا ہوا ہے؟ جو اس طرح غمگین ہو کر رو رہے ہو؟ مجھے بتاؤ ہو سکتا ہے میں تمہاری کوئی مدد کر سکوں۔''

امین نے جب پری کو دیکھا تو پہلے گھبرا گیا مگر پری کی گفتگو اور تسلی سے اُسے سکون محسوس ہوا۔ اُس نے پری کو سارا واقعہ سنایا کہ وہ پل سے گزر رہا تھا کہ اُسے پیاس محسوس ہوئی اور وہ پانی پینے کے لیے دریا کے کنارے آیا اور پانی پینے کے لیے جُھکا تو کلہاڑی دریا کے پانی میں گر گئی۔ وہ کلہاڑی اُس کے کاروبار کا سہارا تھی۔ اگر اُسے کلہاڑی نہ ملی تو وہ اور اُس کے بیوی بچے فاقے کرنے پر مجبور ہو جائیں گے۔ کیوں کہ اُس کے پاس کوئی اور کلہاڑی نہیں ہے۔ پری نے امین کی آپ بیتی سُنی تو مسکرا دی اور بولی: ”اے نیک انسان! تم کیوں گھبراتے ہو؟ میں تم کو ابھی تمہاری کلہاڑی لا کر دیتی ہوں۔“ یہ کہہ کر پری نے دریا کے پانی میں ڈبکی لگائی اور کچھ دیر بعد ایک چمکتی ہوئی کلہاڑی امین کو دکھاتے ہوئے پوچھا: ”کیا یہ تمہاری کلہاڑی ہے؟“ امین نے ہیروں سے چمکتی کلہاڑی دیکھی تو پہلے اُس نے سوچا کہ وہ یہ کلہاڑی رکھ لے مگر وہ اُس کلہاڑی کو بیچ تو سکتا تھا مگر لکڑیاں نہیں کاٹ سکتا تھا۔ پھر یہ کلہاڑی بھی اُس کی نہیں تھی۔ اس لیے اُس نے ایمانداری کا ثبوت دیتے ہوئے ہیرے جواہرات سے سجی کلہاڑی لینے سے انکار کر دیا اور بولا: ”یہ میری کلہاڑی نہیں ہے۔ بلکہ میری کلہاڑی تو بہت پُرانی اور لوہے کی بنی ہوئی ہے“۔ پری نے پانی میں دوبارہ ڈبکی لگائی اور تھوڑی دیر بعد باہر آئی تو اُس کے ہاتھ میں سونے کے دستے والی لوہے کی بنی کلہاڑی تھی۔ اُس نے امین کو کلہاڑی دکھاتے ہوئے پوچھا: ”خوب اچھی طرح پہچان کر بتاؤ کہ کیا یہ تمہاری کلہاڑی ہے؟ اگر یہ کلہاڑی تمہاری نہیں بھی ہے تو رکھ لو“۔ مگر امین نے کلہاڑی لینے سے پھر انکار کر دیا اور بولا: ”میری

کلہاڑی تو بہت پرانی تھی۔ مجھے صرف اپنی کلہاڑی کی ضرورت ہے۔ تم مجھے میری اپنی کلہاڑی ڈھونڈ کر دے دو تو تمہاری مہربانی ہوگی۔''

پری دوبارہ پانی میں گئی اور ایک بہت پرانی کلہاڑی نکال کر اُسے دکھاتے ہوئے بولی: ''دیکھو کہیں یہ تو تمہاری کلہاڑی تو نہیں ہے؟'' امین نے وہ کلہاڑی پری سے لی اور خوب اچھی طرح اُسے دیکھ کر بولا: ''اے نیک دل پری! تم نے یہ کلہاڑی کسی اور غریب کی لا کر دی ہے۔ یہ میری کلہاڑی نہیں ہے۔ اگر میں یہ کلہاڑی رکھ لوں گا تو اُس کا اصل مالک پریشان ہو جائے گا۔ اس لیے تم مجھے میری کلہاڑی ڈھونڈ کر دو۔ تاکہ میری وجہ سے کسی اور کو کوئی پریشانی نہ ہو۔''

پری نے امین کی ایمانداری اور سچائی کا بہت سن رکھا تھا اور اب اُسے اُس کی ایمانداری کا یقین بھی ہو گیا تھا۔ پری نے دریا کے پانی میں دوبارہ قلابازی لگائی اور ہیرے جواہرات' سونے کے دستے والی اور لوہے کی نئی کلہاڑی کے ساتھ امین کی اصل کلہاڑی پکڑ کر دریا کے کنارے آ گئی۔ اب اُس نے امین کو اُس کی اصل کلہاڑی دکھائی تو امین اپنی کلہاڑی دیکھ کر خوش ہو گیا اور اُس کی آنکھیں خوشی سے چمک اُٹھیں۔ وہ اپنی کلہاڑی دیکھ کر چلایا: ''ہاں، ہاں یہ میری کلہاڑی ہے۔ اے نیک پری! تمہارا بہت شکریہ جو تم نے مجھ جیسے غریب کی مدد کی ہے۔ اللہ کریم تم کو اس کا اجر دے۔ میں غریب تو تم کو کچھ نہیں دے سکتا سوائے چند دعاؤں کے!''

پری نے امین کے کاندھے پر تھپکی دیتے ہوئے کہا: ''اے نیک دل لکڑہارے! تم بہت ایماندار اور محنتی انسان ہو۔ میں نے تمہارا امتحان لینے کے لیے قیمتی کلہاڑیاں دکھائیں کہ تم ان کو دیکھ کر لالچ کرو۔ مگر تم واقعی بہت ایماندار ہو۔ اس لیے میں نے تمہاری اصل کلہاڑی تم کو لاکر دے دی تاکہ تم خوب محنت کر کے اپنے بچوں کا پیٹ پال سکو۔ مگر میں تمہاری ایمانداری کے بدلے میں یہ ہیرے جواہرات اور سونے کی کلہاڑی کے ساتھ یہ پرانی کلہاڑی بھی تم کو تحفہ دیتی ہوں۔ تم یہ قیمتی کلہاڑی بیچ کر کوئی بہتر کام کر لینا' اپنے گھر کے حالات بہتر بنا لینا اور یہ لوہے کی کلہاڑی اپنے پاس اضافی رکھ لو۔ تاکہ آج کی طرح اگر دوبارہ کلہاڑی گم ہو جائے تو تم کو پریشان نہ ہونا پڑے۔ مگر یہ یاد رکھنا اگر تم اسی طرح ایماندار اور سچے رہے تو تم پر مشکل گھڑی میں اللہ کی مدد ضرور آئے گی۔'' امین نے تمام کلہاڑیاں پری سے لیں اور اُس کا شکریہ ادا کر کے اللہ کی بارگاہ میں شکریہ ادا کرنے کے لیے سجدہ ریز ہو گیا۔

اچھے بچو!

ایمانداری اور سچائی بہترین عادت ہے۔

✪ ✪ ✪

فریگو کی بہادری

دو مینڈک مینڈو اور فریگو ایک دوسرے سے لڑتے ہوئے کبھی ایک طرف پُھدک جاتے اور کبھی دوسری طرف پُھدک جاتے تھے۔ دونوں ایک دوسرے کو مات دینے کے لئے خوب زور آزمائی کر رہے تھے۔ مگر کوئی بھی ہار ماننے کو تیار نہیں تھا۔ آخر دونوں لڑتے، پُھدکتے، اُچھلتے ایک دودھ کے برتن میں گر گئے۔

یہاں سے نکلنے کے لئے دونوں نے خوب ہاتھ پاؤں مارے مگر باہر نکلنا اُن کے لئے مشکل ہو گیا۔ دونوں کافی دیر تک برتن سے باہر نکلنے کی کوشش کرتے رہے مگر کامیاب نہ ہو سکے۔

آخر مینڈو تھک کر رُک گیا اور بولا: ''میرے خیال میں باہر نکلنے کی کوشش کرنا بے کار ہے۔ ہماری موت یقینی ہے۔ ہمیں باہر نکلنے کی کوشش بند کر کے قسمت پر بھروسہ کرنا پڑے گا۔ کیونکہ اب ہم کبھی اس برتن سے باہر نہیں نکل سکیں گے۔ ہائے، کیا ہی اچھا ہوتا اگر ہم شرارتیں نہ کرتے اور ایک دوسرے کے ساتھ نہ لڑتے۔ دوست! اب ہم یقیناً یہاں مر جائیں گے۔ یہ کہہ کر اُس نے ہاتھ پاؤں چلانا چھوڑ دیئے اور دودھ میں ڈبکی کھانے لگا۔ اُس کو موت

سامنے نظر آ رہی تھی۔ پھر چند لمحوں کے بعد دودھ میں ڈوبا اور دوبارہ باہر نہ نکل سکا۔

لیکن فریگو بہت چُست اور چالاک تھا۔ وہ اپنے ارادے پر قائم رہنے والا اور ہمت نہ ہارنے والا مینڈک تھا۔ اُس نے اپنے ساتھی کا انجام دیکھ کر بھی ہمت نہ ہاری اور ادھر اُدھر تیر کر باہر نکلنے کی کوشش کرتا رہا اس کے لئے وہ مسلسل ہاتھ پاؤں چلا رہا تھا۔

اس فریگو کے ادھر اُدھر تیرنے کی وجہ سے تھوڑی دیر میں دودھ کے اُوپر مکھن کی کافی موٹی تہہ جمنا شروع ہوگئی۔ جو آہستہ آہستہ موٹی ہو رہی تھی۔ فریگو نے مکھن کی موٹی تہہ دیکھی تو بہت خوش ہوا اور خوب جلدی جلدی ہاتھ پاؤں مارنے لگا۔ وہ کافی دیر سے ہاتھ پاؤں چلا رہا تھا جس سے اس کے ہاتھ پاؤں دُکھنے لگے تھے مگر اس نے ہمت نہ ہاری اور مسلسل ہاتھ پاؤں ہلاتا رہا۔ آخر تھوڑی دیر بعد دودھ پر مکھن کی کافی موٹی تہہ جم گئی۔ جس کو دیکھ کر اُس نے خوشی سے نعرہ لگایا اور اُچھل کر مکھن پر بیٹھ گیا پھر وہ ہمت کر کے دوبارہ اُچھلا اور برتن سے باہر کُود گیا۔ اُس نے ہمت کر کے اپنی جان بچالی تھی۔ اُس نے اپنے ساتھی کو یاد کیا اور اُس کی کم ہمتی پر افسوس کرنے لگا۔ اُس نے سوچا کہ اگر وہ بھی کوشش اور محنت کرتا تو جان نہ گنواتا۔

اچھے بچو!

محنت اور ہمت سے ناممکن کام بھی ہو جاتا ہے۔

✪ ✪ ✪

بادشاہ کی خواہش

جلال بہت مہربان اور رحمدل بادشاہ تھا۔ وہ بھیس بدل کر رات بھر اپنی رعایا کے حالات جاننے کے لیے پھرتا رہتا تھا۔ رات کو رعایا کے حالات معلوم کر کے پھر وہ صبح اُس کی مدد کرتا۔ جلال واقعی بہت رحمدل بادشاہ تھا مگر اُس کی ایک بُری عادت تھی۔ وہ یہ کہ ڈھیروں دولت ہونے کے باوجود اسے مزید دولت اکٹھی کرنے کا جنون تھا۔ اُس کا دل چاہتا تھا کہ اُس کے پاس ڈھیر سارا سونا ہو۔ اُس کے محل میں تمام برتن سونے کے بن جائیں۔ مگر یہ سب ناممکن تھا۔ جلال اپنی دولت غریب رعایا کی خوشحالی کے لیے خرچ کرتا رہتا تھا۔ اس لیے وہ ڈھیر ساری دولت جمع کرنا چاہتا تھا۔

ایک دن صبح سویرے بادشاہ جلال سو کر اُٹھا اور محل سے باہر بنے باغ میں چہل قدمی کرنے لگا۔ وہ چلتے چلتے محل کے پیچھے چلا آیا۔ بادشاہ جلال نے چہل قدمی کرتے ہوئے ایک بوڑھے آدمی کو درخت کے سائے تلے سوتے ہوئے دیکھا۔ وہ آدمی بہت بوڑھا اور بیمار تھا۔ بادشاہ نے قریب جا کر بوڑھے کے سر پر ہاتھ رکھا تو جلدی سے کھینچ لیا۔ کیوں کہ بوڑھا شدید بخار کی وجہ سے بے ہوشی کی حالت میں تھا۔ بادشاہ نے اپنے محافظ کو بلایا اور بوڑھے شخص کو محل

میں لے جانے کا حکم دیا اور شاہی حکیم کو اس کا علاج کرنے کا بھی حکم دے دیا۔ ابھی بادشاہ جلال چہل قدمی کے لیے آگے بڑھا ہی تھا کہ ایک بہت خوب صُورت پَری سامنے آ گئی جس کے سر پر خوب صورت تاج اور ہاتھ میں ستارے والی چھڑی تھی، جس پر ایک ستارہ چمک رہا تھا۔ پَری نے آگے بڑھ کر بادشاہ جلال کو سلام کیا اور بولی اے جلال بادشاہ میں نے تمہارا امتحان لیا تھا۔ یہ بوڑھا آدمی میں نے ہی یہاں لٹایا تھا ورنہ عام رعایا کو تمہارے محل میں کون گھسنے دیتا ہے۔ تم میرے امتحان میں کامیاب ہو گئے ہو۔ اس لیے میں تم پر بہت خوش ہوں۔ اگر تم کچھ مانگنا چاہتے ہو تو مانگو۔ میں تمہاری ہر خواہش پوری کروں گی۔ بادشاہ پَری کی بات سُن کر بہت خُوش ہوا اور بولا: ''میرے پاس بہت ساری دولت ہے۔ جو میں وقت پڑنے پر رعایا میں بانٹتا رہتا ہوں۔ مگر میری خواہش ہے کہ میرے پاس بہت زیادہ سونا ہو۔ میں ایسی طاقت حاصل کرنا چاہتا ہوں کہ جس چیز کو ہاتھ لگاؤں وہ چیز سونے کی بن جائے''۔ پَری نے جلال بادشاہ کی بات سُنی اور بولی تم ایک بار پھر سوچ لو:'' بادشاہ نے کہا: ''میں اپنے فیصلے پر قائم ہوں۔'' پَری نے ہاتھ میں پکڑی چھڑی کو گُھمایا اور بادشاہ کے ہاتھوں پر لگا دی۔ پَری بادشاہ کو سونا بنانے والی طاقت دے کر خود غائب ہو گئی۔

جلال بادشاہ اس طاقت کو پا کر بہت خوش ہوا اور اُس نے باغ میں کِھلے رنگ برنگے پھولوں کو ہاتھ لگایا تو وہ سب پھول سونے کے بن گئے۔ بادشاہ چلتے چلتے محل میں لگے اپنے مجسمے کے پاس گیا اور مجسمے کو ہاتھ لگایا تو وہ بھی سونے کا بن گیا۔ بادشاہ اب ایسی طاقت سے ہر

چیز کو سونا بنا رہا تھا جس سے اُس کے پاس ڈھیروں سونا ہو جائے۔ جلال بادشاہ جب محل پہنچا تو اُس کو شدید بھوک لگ گئی۔ اُس نے منہ دُھونے کے لیے نلکا کھولا تو وہ سونے کا بن گیا اور پانی بھی سونے کا بن گیا۔ جلال بادشاہ منہ نہ دھو سکا اور وہ کھانا کھانے کے لیے بیٹھ گیا۔ مگر اُس کو شدید پریشانی ہوئی کہ وہ جس کھانے کو ہاتھ لگاتا وہ سونے کا بن جاتا۔ پانی پینے کے لیے گلاس پکڑا تو گلاس اور پانی بھی سونے کا بن گئے۔ بھوک سے اُس کا بُرا حال تھا۔ مگر وہ سونے کا کھانا دیکھ کر بہت مایوس ہوا۔ جب شہزادی کو بادشاہ کی طاقت کا پتہ چلا تو وہ دوڑتی ہوئی بادشاہ سے ملنے کے لیے آئی۔ مگر جب بادشاہ نے شہزادی کو پکڑا وہ بھی سونے کی بن گئی۔ اب شہزادی سونے کا مجسمہ بن گئی تھی۔ بادشاہ اپنی بیٹی کا یہ حال دیکھ کر بہت پچھتایا اور رونے لگ گیا۔ بادشاہ اس دلچسپ صورتِ حال پر بہت پریشان تھا۔ بادشاہ نے سوچا کہ اُس نے یہ طاقت حاصل کر کے بہت بڑی غلطی کی ہے۔ اگر وہ سونا حاصل کرنے کا لالچ نہ کرتا تو آج خوب دل بھر کر کھانا کھاتا اور اپنی شہزادی کو خوب پیار کرتا۔ شہزادی تو اُس کی جان تھی۔

بادشاہ فوراً محل کے پیچھے والے باغ میں آ گیا اور سچے دل سے پری کو یاد کرنے لگا۔ بادشاہ اس وقت بُری طرح رو رہا تھا۔ اُسے اپنی غلطی کا احساس ہو چکا تھا۔ ابھی چند گھنٹے گزرے تھے کہ پری بادشاہ کے پاس آ گئی۔ پری کے چہرے پر مسکراہٹ تھی۔ جیسے بادشاہ کی اندرونی حالت جان چکی ہو۔ بادشاہ نے پری کو اپنے پاس کھڑے دیکھا تو بولا: ''اے پیاری پری! میں نے تم سے جو خواہش کی تھی، اُس کا نقصان نہیں سوچا تھا۔ مجھے احساس ہو گیا ہے کہ یہ

خواہش ٹھیک نہیں ہے۔اب میں کھانا نہیں کھا سکتا، منہ نہیں دھو سکتا۔ میں اس طاقت کی وجہ سے قدرت کے رنگوں سے محروم ہو گیا ہوں۔ میں پھولوں کی اصل رنگت اور خوشبو سے لطف اندوز نہیں ہو سکتا۔ میں اپنی بیٹی کو ہنستی مسکراتی اور کھیلتی ہوئی دیکھنا چاہتا ہوں۔ اُس کی خوشی میرے لیے کسی سونے سے کم نہیں ہے۔تم مجھے اس طاقت سے نجات دلا دو۔ میں اپنی غلطی پر معافی مانگتا ہوں۔ بادشاہ پری کے سامنے بچوں کی طرح زاروقطار رو رہا تھا۔ پری سارا معاملہ خوب اچھی طرح سمجھ چکی تھی۔ پری نے کہا، جب تم نے اپنی خواہش کا اظہار کیا تھا تو میں اس وقت اس کا انجام سمجھ چکی تھی۔مگر تمہاری خواہش پوری کرنے کا جو وعدہ کیا تھا وہ نبھانا بھی تھا۔ پری نے ہاتھ میں پکڑی چھڑی کو ہوا میں گھمایا اور خوشگوار مسکراہٹ سے غائب ہو گئی۔

پری کے جانے پر تمام خوب صورتی اپنی اصل حالت میں آ گئی۔ پھول پہلے کی طرح رنگ برنگے ہو گئے تھے۔ مجسمہ مٹی کا بن کر بھی بہت خوب صورت لگ رہا تھا۔تمام چیزیں اپنی اصلی حالت میں آ گئی تھیں۔ بادشاہ جلال نے اپنی بیٹی کو دوبارہ زندہ سلامت سانس لیتی ہوئی دیکھا تو بھاگتا ہوا اُس کے پاس پہنچ گیا اور اپنی بیٹی کو بانہوں میں لے کر خوب پیار کیا۔ شہزادی نے بادشاہ کو کہا بابا جان! آپ کھانا کھا لیں۔آپ کو بھوک لگی ہوئی ہے۔ بادشاہ نے شہزادی کو اپنے ساتھ بٹھایا اور دونوں کھانا کھانے لگے۔

اچھے بچو! زیادہ دولت سے انسان اپنا پیٹ نہیں بھر سکتا۔ جو تمہارے پاس ہے اُس پر شکر ادا کرتے رہا کرو۔

بکرا چڑھا پہاڑ پر

خرگوش اور گدھا بہت گہرے دوست تھے۔ دونوں کی دوستی پورے گاؤں میں مشہور تھی۔ دونوں بہت سمجھ دار اور اردگرد کے حالات سے باخبر رہتے تھے۔ گلہری ان دونوں کی دوستی سے بہت جلتی تھی۔ وہ چاہتی تھی کہ یہ دونوں ایک دوسرے کے دشمن بن جائیں۔ کیوں کہ خرگوش کھیتوں سے تازہ سُرخ گاجر لے آتا تھا اور گدھا بھی اپنے دوست خرگوش کے لیے سبز پالک کا ساگ لے آتا تھا اور دونوں مل کر کھاتے تھے۔ گلہری نے کئی بار سُرخ سُرخ گاجریں کھانے کا سوچا مگر گدھے کی دولتی سے ڈرتے ہوئے قریب نہیں جاتی تھی۔ حالانکہ دونوں جانور بہت خوش مزاج اور نیک نیت تھے۔

ایک دن گدھا اور خرگوش قریبی گاؤں میں چلے گئے۔ جہاں پر وہ گوبھی کے کھیت میں جا کر گوبھی کھانے لگ گئے۔ یہ کھیت خرگوش کے ماموں کا تھا۔ جب دل چاہتا وہ یہاں آجاتا تھا۔ گوبھی کھانے کے بعد دونوں ایک طرف جا کر بیٹھ گئے۔ اتنی دیر میں خرگوش کے ماموں کا نوکر تازہ اخبار لے آیا۔ خرگوش نے اخبار پکڑا اور تازہ خبریں پڑھنے لگا۔ گدھا تمام خبریں سن رہا تھا۔ خبریں پڑھتے ہوئے دونوں ان پر تبصرہ بھی کر لیتے تھے۔ دونوں کو گاؤں کی

سیاست سے بہت لگاؤ تھا۔ اخبار پڑھتے ہوئے اچانک خرگوش نے خبر پڑھی۔ المونیم کے برتنوں میں کھانے سے جلدی امراض میں اضافہ ہوتا ہے۔ گدھے نے اپنے دونوں کان کھڑے کیے اور خبر کی تفصیلات سُننے لگا۔ خبر میں ملک کے ایک بڑے سائنسدان نے اس بات کا انکشاف کیا تھا کہ المونیم اور سلور کے برتنوں میں کھانے سے جلدی امراض اور دوسری خطرناک بیماریاں پھیلتی ہیں۔ خرگوش نے خبر پڑھنے کے بعد گدھے سے کہا: ''یار گدھے! کیا تم کو پتہ ہے کہ گوبھی اور پالک میں آئرن (لوہا) ہوتا ہے؟'' گدھے نے اپنی گردن کو ''ناں'' میں ہلایا اور بولا: ''تمہارا دماغ چل گیا ہے۔ بھلا پالک اور گوبھی میں لوہا کہاں سے آ گیا؟ میں تمہاری اس بات سے اتفاق نہیں کرتا۔ کیا جس لوہے کی بالٹی میں ہم پانی پیتے ہیں' چارہ کھاتے ہیں اور جس لوہے سے بنے بیلچے اور کدال سے کسان زمین کھودتا ہے وہ لوہا گوبھی اور پالک کے اندر بھی ہوتا ہے؟ میں نہیں مانتا اس بات کو۔''

خرگوش ہلکا سا مسکرایا اور بولا: ''ہاں یار! تم میری بات پر یقین کرو، جو لوہا بالٹی اور بیلچے وغیرہ میں ہوتا ہے' وہی لوہا پالک' گوبھی اور چند ایک مزید سبزیوں میں ہوتا ہے۔ مگر ان میں اس لوہے کی بہت کم مقدار ہوتی ہے۔ جو ہمیں نظر نہیں آتی۔'' گدھے نے منہ بسورا اور حیرت سے بولا: ''تو اس میں لوہا کس مقدار میں ہوتا ہے؟'' خرگوش نے اپنی مُونچھ پہ ہاتھ پھیر کر اُسے تاؤ دیا اور بولا: ''پالک اور گوبھی میں لوہے کی مقدار میری مُونچھ کے اس بال کے ایک کونے جتنی ہوتی ہے۔ تم یوں سمجھ لو کہ ان سبزیوں میں لوہا ہوتا ضرور ہے مگر اس کی مقدار بہت کم ہوتی ہے۔'' خرگوش نے گدھے کو بات سمجھاتے ہوئے اُس پر رُعب جمایا اور بولا: ''تم کو

پتہ ہے میں سبزیاں بہت شوق سے کھاتا ہوں۔ خاص طور پر پالک، گاجر، گوبھی اور ان جیسی دوسری سبزیاں مجھے بہت پسند ہیں۔ اسی وجہ سے میں بہت تیز بھاگ سکتا ہوں۔ اخبار عینک کے بغیر پڑھ لیتا ہوں اور میرے کان بھی بہت تیز ہیں' یہ سب اسی وجہ سے ہے کہ میں سبزیاں زیادہ کھاتا ہوں۔'' گدھے نے خرگوش کی بات سن کر ایک بار پھر ''میں نہ مانوں'' والی بات کردی اور اپنا سر ''ناں'' میں ہلا دیا۔ گدھا تو پھر گدھا ہی ہوتا ہے۔ وہ یہ سب باتیں کیسے مانتا۔ اُسے تو صرف سیر کرنے اور کھانے پینے کا شوق تھا۔ آخر خرگوش نے کہا: ''اگر ہم اسی طرح بحث کرتے رہے تو گلہری کا مقصد پورا ہو جائے گا۔ اس لیے میں اپنی بات سچ ثابت کرنے کے لیے کسی عقل مند جانور سے بات کرتا ہوں۔'' گدھے نے کہا: ''میرے خیال میں ہمیں بکرے کے پاس جانا چاہیے۔ بکرا بہت عقل مند ہے۔ وہ ہمیں اصل بات سمجھائے گا۔'' خرگوش نے گدھے کی بات مان لی اور دونوں بکرے کے پاس چلے گئے۔ بکرا ریت کے ٹیلے پر کھڑا جُگالی کر رہا تھا۔ خرگوش نے بکرے کے پاس جا کر سلام کیا اور جگالی کرتے ہوئے بکرے کو غور سے دیکھا۔ گدھے نے خرگوش کے کان میں کہا: ''میں نہ کہتا تھا بکرا بہت عقل مند جانور ہے۔ اس کو جُگالی کرتے دیکھو۔ کتنا خوب صورت لگ رہا ہے۔'' خرگوش اور گدھا بکرے کے پاس ٹیلے پر چلے گئے۔ خرگوش نے بکرے سے کہا: ''میں نے آج اخبار میں پڑھا ہے کہ گوبھی اور پالک میں لوہا ہوتا ہے' کیا یہ بات سچ ہے؟''

بکرے نے دونوں دوستوں کی بات غور سے سُنی اور چلایا: ''میں تم کو ضرور بتاؤں گا کہ گوبھی اور پالک میں واقعی لوہا ہوتا ہے یا نہیں مگر پہلے تم دونوں میری مدد کرو۔ میں مستی کرتا ہوا

اس پہاڑ جتنے بڑے ٹیلے پر آ گیا ہوں۔اب مجھے بتاؤ میں نیچے کیسے اُتروں؟'' بکرے کی اس بات پر گدھے نے خرگوش کی طرف اور خرگوش نے گدھے کی طرف حیرت سے دیکھا۔اُن کو اس بات کی سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ بکرا جس ٹیلے کو پہاڑ جتنا بڑا کہہ رہا تھا وہ اتنا بڑا تو نہیں تھا کہ نیچے اُترنے میں دشواری ہوتی حالانکہ یہ بہت چھوٹا ٹیلہ تھا۔جو ایک چھلانگ سے پار کیا جا سکتا تھا۔خرگوش نے سر پر رکھی ٹوپی سیدھی کی اور بکرے سے کہا: ''اگر اوپر چڑھنے کا کوئی راستہ ہے تو نیچے اُترنے کا بھی راستہ ہوتا ہے۔'' گدھے نے غصے سے ایک دولتی فضا میں لگائی اور بولا: ''بکرے میاں! ذرا پیچھے مڑو اور دیکھو جہاں سے تم اُوپر آئے تھے وہی راستہ واپسی کا ہے۔ بس ذرا آرام آرام سے نیچے اُتر جاؤ۔اس میں کوئی مشکل نہیں ہوگی۔''

اس سے پہلے کہ بکرا ٹیلے سے نیچے اُترتا' خرگوش اور گدھے نے ایک دوسرے کا ہاتھ تھاما اور گاؤں کی طرف چل پڑے۔ دونوں ایک دوسرے سے کہہ رہے تھے کہ جب یہ بکرا چھوٹے سے ٹیلے کو پہاڑ سمجھ کر ڈر رہا تھا اور نیچے نہیں اُتر رہا تھا تو اُسے ہمارے سوال کا جواب کیسے معلوم ہو سکتا تھا؟ اس کی شکل ہی عقل مندوں جیسی ہے مگر عقل نام کی کوئی چیز اس میں نہیں ہے۔گدھے نے ہلکا سا قہقہہ لگایا اور خرگوش بھی مسکرایا۔ایک درخت پر بیٹھی گلہری ان دونوں کو ایک ساتھ ہنستے دیکھ کر اپنا سا منہ لے کر رہ گئی۔

اچھے بچو!

عقل مندی صُورت سے نہیں بلکہ عِلم اور ذہانت سے ظاہر ہوتی ہے۔

پیار نہیں مار

وارث بہت خودغرض اور مطلبی انسان تھا۔ ہر وہ کام کرتا جس میں اُسے فائدہ ہوتا تھا۔ چاہے اس کام سے کسی کو سخت نقصان ہو جائے مگر وارث کو اپنے منافع کی پڑی ہوتی تھی۔ وارث خاندانی مچھیرا تھا۔ دن بھر دریا میں جال پھینک کر مچھلیاں پکڑتا اور اُن کو مچھلی منڈی میں بیچ کر گزر اوقات کرتا تھا۔ وارث نے جب سے ہوش سنبھالی تھی تب سے اپنے گھر میں مچھلی پکڑنے والا جال اور غربت ہی دیکھی تھی۔ وہ چاہتا تھا کوئی اور کام کرے مگر اُس کو صرف مچھلی پکڑنا آتا تھا۔ جس کی وجہ سے وہ بہت غمگین رہتا تھا۔ ایک دن وارث نے سوچا وہ شہر جا کر کوئی اور کاروبار شروع کرے یا کسی اور کام میں مہارت حاصل کر لے تاکہ گھر میں بھوک اور غربت میں کمی کر سکے۔ اس مقصد کے لیے وارث نے مچھلیاں پکڑنے والا جال مقامی آبادی میں بیچا اور جو رقم ملی وہ لے کر گھر آ گیا۔ اب اُس نے تمام سامان ایک کمرے میں بند کر کے دروازے پر ایک بڑا سا تالا لگایا اور شہر کی طرف چل پڑا۔

کئی میل کا سفر پیدل طے کر کے وہ بہت تھک چکا تھا۔ ایک سایہ دار جگہ دیکھ کر وہ وہاں چلا گیا اور اینٹ کا تکیہ بنا کر زمین پر لیٹ گیا۔ پیدل سفر کرنے کی وجہ سے اُس کی ٹانگیں اور

پاؤں شدید درد کر رہے تھے۔ ٹھنڈی چھاؤں میں لیٹنے کی وجہ سے اُسے بہت جلد نیند آ گئی۔ وارث کو سوئے ہوئے ابھی ایک گھنٹہ ہی ہوا تھا کہ اُسے ایک چیونٹی نے پاؤں پر کاٹ لیا۔ شدید درد سے اُس کی چیخ نکلی اور آنکھ بھی کُھل گئی۔ وارث نے فوراً اپنا پاؤں سمیٹا اور ہاتھ سے چیونٹی کے منہ سے اپنا پاؤں چھڑایا اور پاؤں مسلنے لگا۔ مسلسل سفر کی وجہ سے وارث پہلے ہی بہت تھک چکا تھا۔ اب اچانک اُس کی آنکھ کُھلی تو اُسے بھوک کا احساس ہونے لگا۔ مگر وہ تو گھر سے نکلتے ہوئے کھانے کے لیے کچھ نہیں لایا تھا اور پھر اُس کے گھر میں کھانے کے لیے کچھ بھی نہیں تھا۔ وہ اپنے ساتھ کیا لاتا؟ اب وارث نے سوچا اُس کے پاس جو رقم ہے اگر اُس میں سے چند روپے کھانے کے لیے خرچ کر دیئے تو پیسے کم پڑ جائیں گے۔ اس لیے وہ کچھ خرچ کیے بغیر بھوک مٹانے کا سوچنے لگا۔ اچانک وارث کو درختوں کے درمیان پانی کا تالاب نظر آیا۔ وہ فوراً اُٹھا اور تالاب کی طرف چل پڑا۔ وارث جب تالاب کے قریب پہنچا تو وہ صاف ستھرا تالاب اور شفاف پانی دیکھ کر حیران رہ گیا۔ تالاب میں مچھلیاں بھی تیر رہی تھیں۔ اُس نے مچھلی پکڑنے کا سوچا مگر وہ تو جال بیچ چکا تھا۔ اب اُس نے ایک ڈوری ڈھونڈی اور اُس سے مچھلی پکڑنے کا سوچنے لگا۔ تالاب کا پانی اتنا صاف شفاف تھا کہ تالاب کی تہہ صاف نظر آ رہی تھی۔ تالاب کے اردگرد لوہے کی کانٹے دار تاریں تھیں، جن کا مقصد کسی جانور سے تالاب کو محفوظ رکھنا تھا۔ تالاب کے قریب ایک گاؤں تھا۔ وارث نے سوچا اس تالاب کی صفائی کی اصل وجہ یہی ہے کہ گاؤں کے لوگ اس پانی کو پینے کے لیے استعمال کرتے ہوں گے! مگر مجھے اس سے کیا غرض؟ میں تو مچھلیاں پکڑتا ہوں تاکہ پیٹ بھر سکوں۔

وارث تالاب کے اردگرد لگی تاروں کی پروا کیے بغیر کنارے پر بیٹھ گیا اور ڈوری دریا میں پھینک دی۔ پانی میں تیرتی مچھلیوں نے جب خوراک دیکھی تو ڈوری کی طرف بڑھیں۔ ایک مچھلی جو سب سے تیز اور پھُرتیلی تھی وہ تیزی سے تیرتی ہوئی ڈوری کی طرف آئی اور خوراک کھانے کے لالچ میں منہ کھول دیا۔ مگر ڈوری کے سرے پر بندھا کانٹا اُس کے حلق میں پھنس گیا۔ اب مچھلی درد سے تڑپنے لگی اور وارث نے ڈوری اپنی طرف کھینچ لی۔ مچھلیاں پکڑنے میں وہ پہلے ہی بہت ماہر تھا۔ اُس نے مچھلی پکڑی اور تھیلے میں بند کر دی۔ ڈوری گیلی ہونے کی وجہ سے زمین پر لگی مٹی سے بھر گئی مگر وارث نے اس بات کی کوئی پرواہ کیے بغیر ڈوری دوبارہ پانی میں پھینک دی۔ صاف ستھرے پانی میں مٹی سے بھری ڈوری جب گری تو پانی میں مٹی گھُل گئی۔ وارث ہر بار ڈوری پانی میں پھینکتا اور مچھلی پھنس جانے پر باہر نکال لیتا۔ وہ مٹی میں بھری ڈوری کا خیال نہ کرتا اور ڈوری دوبارہ پانی میں پھینک دیتا تھا، جس سے تالاب کا پانی میلا ہو گیا۔ اب پانی بظاہر پینے کے قابل نہیں رہا تھا مگر وارث کو اس بات سے کوئی غرض نہیں تھی۔ وہ چاہتا تھا جلد از جلد بہت سی مچھلیاں پکڑے اور ان کو پکا کر بھوک ختم کرے۔ جو مچھلیاں رہ جائیں اُن کو شہر یا قریبی دیہات میں فروخت کر کے جو رقم ملے، اُسے پہلے سے جمع رقم میں شامل کرے گا۔ وارث مچھلیاں پکڑنے میں اتنا مصروف تھا کہ اُسے کسی کے آنے کا کچھ پتہ نہ چلا۔ ایک دیہاتی پانی بھرنے کے لیے تالاب کی طرف آ رہا تھا۔ مگر اُس نے جب وارث کو گندی ڈوری پانی میں ڈالتے اور باہر نکالتے دیکھا تو شدید غصے میں آ گیا۔ اُس نے

تالاب کے پاس جا کر وارث کو ڈوری دھو کر تالاب میں پھینکنے کا کہا تو وارث اُس کی باتوں کی کوئی پروہ کیے بغیر اپنے کام میں مصروف رہا۔ دیہاتی نے اُسے بہت روکا مگر وہ بہرہ بن کر مچھلیاں پکڑتا رہا۔ دیہاتی نے پہلے پیار پھر غصے میں اُسے روکا مگر وارث اُس کی کسی بات پر توجہ کیے بغیر ڈوری پانی میں پھینکتا رہا اور پانی کو مزید گدلا کرتا رہا۔

اب دیہاتی نے وارث کی خود غرضی اور لا پرائی دیکھی تو وہ اُلٹے پاؤں اپنے گاؤں کی طرف بھاگا۔ تھوڑی دیر بعد وہ دیہاتی اپنے ساتھ دس' پندرہ مزید دیہاتی لے کر واپس تالاب کی طرف آ گیا۔ وہ تمام لوگ شدید غصے میں تھے۔ اُنھوں نے اپنے ہاتھوں میں ڈنڈے بھی پکڑے ہوئے تھے۔ وہ لوگ شدید غصہ میں تالاب کی طرف تیزی سے آ رہے تھے۔ وارث نے جب اُن لوگوں کو اپنی طرف آتے دیکھا تو اُس کا رنگ خوف سے پیلا ہو گیا۔ اُس کا چہرہ یوں ہو گیا جیسے تمام خون ختم ہو گیا ہے۔ وہ تمام دیہاتی وارث کے پاس آ گئے اور غصے میں اُسے گھیر لیا۔ ایک دیہاتی نے آگے بڑھ کر وارث کے ہاتھ سے ڈوری چھینی اور پانی سے باہر نکال دی۔ اُنھوں نے وارث کو مزید مچھلیاں پکڑنے سے روک دیا اور تالاب سے چلے جانے کا کہا۔ وارث نے جب اتنے غصے میں ان دیہاتیوں کو دیکھا تو ہاتھ جوڑ کر کھڑا ہو گیا۔ وارث اُس وقت شدید خوفزدہ تھا اور خوف سے بُری طرح لرز رہا تھا۔ وارث نے ہاتھ جوڑ کر کہا: ''میں اپنے رویئے اور خود غرضی پر بہت شرمندہ ہوں۔ میں نے بہت احمقانہ اور بیوقوفی کا مظاہرہ کیا ہے۔ مجھے صاف پانی کو گندا نہیں کرنا چاہیے تھا۔ میں اپنے رویئے پر آپ سب سے

معافی چاہتا ہوں۔ آپ سب یقین کریں میں بہت شرمندہ ہوں۔ میں نے تالاب کا پانی جو پینے کے لیے تھا' اُس کو مٹی سے بھری ڈوری ڈالنے سے بہت میلا کر دیا ہے۔ میں ایک بار پھر آپ سب سے معافی مانگتا ہوں۔ آپ مجھے کچھ نہ کہیے گا۔"

دیہاتیوں نے وارث کو فوراً چلے جانے کو کہا۔ وارث نے جو مچھلیاں پکڑی ہوئی تھیں' وہ دیہاتیوں کو دینے لگا۔ مگر اُنھوں نے لینے سے انکار کر دیا اور کہا یہ تمہاری محنت ہے۔ اس پر ہمارا حق نہیں ہے' اب تم فوراً یہاں سے چلے جاؤ۔ وارث نے تالاب سے واپس چلے جانے میں بہتری سمجھی اور اپنے گھر کی طرف چل پڑا۔ جہاں جا کر وہ دوبارہ اپنا کام شروع کر دے گا۔ کیوں کہ اب اُس کو خود غرضی کی سزا مل چکی تھی۔

اچھے بچو!

جب پیار کا رویّہ کام نہ آئے تو سختی کرنا پڑتی ہے۔

ناشکری سے بچو!

نعیم بہت ناشکرا انسان تھا۔ غربت اور بے روزگاری سے تنگ آ کر وہ اکثر اللہ تعالیٰ سے شکوے کرتا رہتا۔ جب کسی دن وہ کھانا کھا کر سو بھی جاتا تو شکر کے الفاظ ادا نہ کرتا بلکہ کہتا: ''اے اللہ! میں تیرا شکر کیوں ادا کروں؟ میرے پاس کچھ بھی نہیں ہے۔ پھر میں کس بات پر شکر ادا کروں؟ میرے پاس نہ دولت ہے اور نہ کوئی جائیداد ہے۔ دو وقت کی روٹی بھی بڑی مشکل سے کھاتا ہوں۔ میں کس بات کا شکر کروں؟'' نعیم کے دوست اُس کو اس ناشکری سے منع بھی کرتے تھے مگر اُس کے لبوں پر ہمیشہ ناشکری کے الفاظ رہتے تھے۔ اس کی اس بُری عادت سے تنگ آ کر اس کے دوستوں نے اُس کو سمجھانا بھی چھوڑ دیا تھا۔

ایک دن نعیم مزدوری کی تلاش میں شہر جا رہا تھا کہ اُسے راستے میں ایک پوٹلی گری ہوئی نظر آئی۔ یہ پوٹلی بہت خوبصورت کپڑے کی بنی ہوئی تھی۔ جس پر سنہری تاروں سے کڑھائی کی ہوئی تھی۔ نعیم نے وہ پوٹلی دیکھی تو سوچا: ''ضرور اس پوٹلی میں سونے کی اشرفیاں ہوں گی؟'' یہ سوچ کر وہ پوٹلی کی طرف تیزی سے بڑھا۔ آگے بڑھ کر پھرتی سے پوٹلی اُٹھالی۔ نعیم نے پوٹلی میں ڈبیہ دیکھی تو بُرا سا منہ بنا کر بولا: ''میں تو سمجھا تھا کہ اس پوٹلی میں سونے کی اشرفیاں ہوں

گی۔ مگر اس میں تو یہ چھوٹی سی ڈبیہ نکلی ہے۔ یہ ڈبیہ میرے کس کام کی؟'' نعیم نے ڈبیہ پکڑ کر اُس کے چاروں طرف دیکھا مگر چاروں طرف سے وہ بند تھی اور کھولنے کا کوئی راستہ نظر نہیں آ رہا تھا۔ نعیم نے بڑبڑاتے ہوئے پھر قدرت سے شکایت کی: ''یہ کیا مذاق ہے؟ اگر اشرفیاں نہیں ملنی تھیں تو ڈبیہ کو ہی سونے کا بنا دیا ہوتا۔'' یک دم نعیم کی آنکھیں روشن ہو گئیں۔ اُس نے سوچا یہ ڈبیہ بہت قیمتی نظر آ رہی ہے۔ ہو سکتا ہے اس پوٹلی پر سنہری کڑھائی والی تاریں سونے کی ہوں؟ وہ پوٹلی اور ڈبیہ لے کر جاوید سنار کے پاس گیا اور بولا: ''بڑے بھائی، اس پوٹلی پر جو کڑھائی کی ہوئی ہے، کیا یہ سونے کی تاروں سے کی گئی ہے؟'' سنار نے پوٹلی کو اُلٹ پلٹ کر دیکھا اور بولا: ''ہاں، اس پر سونے کی تاروں سے کڑھائی کی ہوئی ہے۔'' سنار نے پوٹلی میں سے وہ ڈبیہ بھی نکالی اور اُسے ڈبیہ بھاری محسوس ہوئی۔ اُس نے بھی ڈبیہ کو چاروں طرف سے دیکھا مگر اُسے بھی کہیں سے ڈبیہ کھولنے کا راستہ نظر نہ آیا۔ سنار نے سوچا: ''اگر پوٹلی پر سونے کی تار سے کڑھائی ہے تو ضرور اس ڈبیہ میں بھی قیمتی چیز ہو گی۔'' اس لیے اُس نے نعیم سے کہا: ''میں یہ پوٹلی ڈبیہ سمیت خریدنے کے لیے تیار ہوں۔ بولو تم اس کی کیا قیمت لو گے؟'' نعیم نے کچھ دیر سوچا اور بولا: ''بھائی! جو تم مناسب سمجھو، مجھے دے دو۔''

سنار بہت چالاک اور کاروباری انسان تھا۔ اس نے کہا میں تم کو اس ڈبیہ اور پوٹلی کے بدلے میں سو اشرفیاں دے سکتا ہوں۔ نعیم نے سو اشرفیوں کا سنا تو دل ہی دل میں بہت خوش ہوا مگر اپنی عادت سے مجبور ہو کر بولا: ''یہ سو اشرفیاں کم ہیں۔ ان اشرفیوں سے میرا کیا بنے گا!

تم ذرا قیمت بڑھاؤ۔'' تو سنار نے چالاکی سے کہا: ''میں سو اشرفیوں سے ایک اشرفی زیادہ نہیں دے سکتا۔ اگر منظور ہے تو ٹھیک ورنہ یہ رکھو اور یہاں سے چلے جاؤ۔ میرا وقت برباد مت کرو۔'' نعیم نے سوچا جو بھی قیمت ملتی ہے وصول کروں۔ زیادہ لالچ میں یہ سو اشرفیاں بھی نہ رہ جائیں۔ تو اُس نے سنار سے کہا: ''مجھے سودا منظور ہے''۔ سنار نے سو اشرفیاں نعیم کو دیں اور پوٹلی ڈبیہ سمیت رکھ لی۔ نعیم اشرفیاں لے کر اپنے گھر چلا گیا۔

نعیم کے جانے کے بعد سنار نے ڈبیہ کو پوٹلی سے باہر نکالا اور اُسے غور سے دیکھنے لگا۔ مگر ڈبیہ کی بناوٹ بہت عجیب تھی۔ سنار نے کپڑا لیا اور ڈبیہ کو صاف کرنے گیا۔ مگر اچانک ڈبیہ ایک جھٹکے سے کھُل گئی اور اس میں سے کوئی چیز زمین پر گر گئی۔ سنار نے جب اس کو اُٹھا کر دیکھا تو اُس کی آنکھیں خوشی سے چمک اُٹھیں۔ کیوں کہ وہ بہت خوب صورت ہیرا تھا۔ سنار نے اتنا خوبصورت ہیرا آج تک نہیں دیکھا تھا۔ یہ ہیرا نہایت خوبصورت ہونے کی وجہ سے بیش قیمت کا تھا۔ سنار نے ہیرے کو الماری میں رکھا اور اگلے دن وہ ہیرا لے کر بادشاہ کے محل میں چلا گیا۔ سنار کو پتہ تھا کہ بادشاہ کو عجیب و غریب اور نایاب چیزیں خریدنے کا بہت شوق ہے۔ سنار نے وہ ہیرا بادشاہ کی خدمت میں پیش کر دیا۔ بادشاہ نہایت خوبصورت ہیرا دیکھ کے بے حد خوش ہوا اور سنار سے پوچھا: ''یہ ہیرا اُس کو کہاں سے ملا ہے؟'' چونکہ سنار بہت چالاک تھا اور اس کی چالاکی سے بادشاہ بخوبی واقف تھا۔ وہ یہ جاننا چاہتا تھا کہ سنار نے یہ ہیرا کہاں سے حاصل کیا ہے؟ کیوں کہ اُسے یقین تھا کہ سنار نے یہ ہیرا کسی غیر ملکی تاجر سے نہیں خریدا ہوگا۔

بلکہ چالاکی سے کسی سادہ لوح انسان سے کم داموں میں خرید لیا ہوگا۔ بادشاہ نے سنار کو آزمانے کے لیے کہ سنار سچ بول رہا ہے کہ جھوٹ؟ بادشاہ نے ہیرا ایک طرف رکھا اور بولا: ''بہت دن پہلے ہمارے محل سے بھی ایسا ہی قیمتی ہیرا چوری ہوگیا تھا۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ جس چور نے یہ ہیرا چوری کیا ہے' اس نے بعد میں تم کو بیچ دیا ہو۔'' یہ بات سُن کر سنار کے ہاتھوں کے طوطے اُڑ گئے۔ اُس کا چہرہ پیلا پڑ گیا۔ بادشاہ نے اُس کی بدلتی حالت دیکھی تو بولا: ''سچ سچ بتاؤ' یہ ہیرا تمہیں کس نے دیا ہے؟'' سنار تو بادشاہ کی باتیں سن کے پہلے ہی بہت گھبرا چکا تھا۔ اُس نے بادشاہ کو ساری بات سچ سچ بتادی کہ یہ ہیرا ایک عجیب سی ڈبیہ میں تھا اور وہ ڈبیہ ایک کڑھائی کی ہوئی پوٹلی میں تھی۔ جس کو ایک آدمی اس کے پاس سو اشرفیوں میں فروخت کر کے چلا گیا تھا۔

بادشاہ نے سنار سے اُس آدمی کا حلیہ پوچھا اور پھر اپنے سپاہیوں کو حکم دیا کہ وہ اس حلیئے کا آدمی جہاں کہیں بھی ملے اُسے فوراً گرفتار کر کے محل میں لے آئیں۔ شام تک سپاہی سنار کے بتائے ہوئے حلیئے کے مطابق کئی آدمیوں کو پکڑ کر محل میں لے آئے۔ سنار نے ان آدمیوں میں سے نعیم کو پہچان لیا۔ جب نعیم نے سنار کی نشاندہی دیکھی تو ہاتھ جوڑ کر فریاد کرنے لگا: ''بادشاہ سلامت! میں بے قصور ہوں۔ بے شک آپ یہ سو اشرفیاں مجھ سے واپس لے لیں مگر مجھے چھوڑ دیں۔ میرا کوئی قصور نہیں ہے۔ مجھے تو پہلے یقین ہے کہ اللہ کریم کو میرا ذرا بھی خیال نہیں ہے۔ میری زندگی فضول گزر رہی ہے۔ قدرت نے مجھے کبھی کچھ نہیں دیا اور نہ ہی کبھی میری کوئی دعا سنی ہے۔ اتفاق سے راہ چلتے یہ پوٹلی ملی اور پہلی بار سو اشرفیاں ایک ساتھ حاصل

ہوئی تھیں۔مگر وہ بھی میں واپس دینے کے لیے تیار ہوں۔ بلکہ آپ یہ اشرفیاں لے لیں اور مجھے معاف کر کے آزاد کر دیں۔

بادشاہ بہت نیک انسان تھا۔اُس نے جب نعیم کی باتیں سنیں تو اُس کو بہت دُکھ ہوا اور وہ سخت لہجے میں بولا: ''ارے بیوقوف انسان! اللہ کریم کا شکرادا نہیں کرتے کہ اُس نے تم کو صحت مند جسم، طاقتور اعضاء، قوت سماعت اور بصارت دی ہوئی ہے۔تم کو قدرت نے صحت وتندرستی کی دولت سے مالا مال کیا ہوا ہے۔'' نعیم نے جب بادشاہ کی یہ باتیں سنیں تو شرمندہ ہو گیا اور وہ آنکھیں جھکا کر کھڑا رہا۔بادشاہ نے کہا: ''میں تو تم کو تھیلی اور ڈبیہ میں موجود نہایت قیمتی ہیرے کی اصل قیمت دینا چاہتا تھا۔جو سنار نے چالاکی سے تم کو بہت کم دی تھی۔مگر تم بہت ناشکرے انسان ہو۔میں نے چاہا تھا کہ تم کو اصل قیمت کے ساتھ مزید انعامات دوں مگر تم اللہ تعالیٰ کی کسی بھی نعمت کا شکرادا نہیں کرتے۔اس لیے اب تمہاری سزا یہی ہے کہ تم یہ سو اشرفیاں ہی رکھو حالانکہ جو ہیرا تم کو راہ چلتے ملا تھا اُس کی قیمت لاکھوں اشرفیاں ہیں۔چونکہ وہ ہیرا تم کو ملا تھا اور اُس کی اصل قیمت کے حقدار بھی تم ہو مگر تم واقعی بہت ناشکرے انسان ہو اس لیے یہ سو اشرفیاں اُٹھاؤ اور فوراً یہاں سے چلے جاؤ۔''

نعیم بادشاہ کی بات سُن کر بہت پچھتایا اور اُسے اپنی ناشکری کی عادت پر بہت غصہ بھی آیا مگر اب کچھ نہیں ہو سکتا تھا۔

اچھے بچو!

ہر حال میں اللہ تعالیٰ کا شکرادا کرتے رہو۔اسی میں کامیابی ہے۔

✪ ✪ ✪

جُھوٹے دوست

ایک ہرے بھرے جنگل میں خوب صورت آنکھوں اور لمبے کانوں والا خرگوش رہتا تھا۔ جو بہت اچھی عادتوں والا تھا۔ خرگوش ہر جانور اور پرندے کی مدد کرتا اور ہر کسی کے ساتھ دوستی رکھتا تھا۔ خرگوش کی اچھی عادتوں کی وجہ سے تمام جانور اُس کو اپنا دوست سمجھتے تھے۔ جنگل کے خطرناک جانور بھی اس خرگوش کو کوئی نقصان نہیں پہنچاتے تھے۔ کیونکہ کسی نہ کسی دن خرگوش نے اُن کی مدد کی ہوئی تھی۔ جنگل کے تمام جانور خرگوش کی خوب تعریفیں کرتے تھے۔ خرگوش کا اصل نام تو شائد کسی کو معلوم نہیں تھا مگر سب اُس کو ''محبت'' کہتے تھے۔ خرگوش اس نام سے بہت خوش تھا۔ کیوں کہ وہ ہر کسی سے خوب محبت سے ملتا تھا اس لیے جنگل میں ہر جگہ پر محبت خرگوش کی باتیں ہوتی رہتی تھیں۔ ''محبت'' نے جنگل میں جانوروں کی بہتری کے لیے بہت سے کام کیے ہوئے تھے۔ جس سے تمام جانور اُسے خوب دعائیں دیتے تھے۔ ''محبت'' نے جانوروں کو پڑھنا لکھنا بھی سکھا دیا تھا۔ جس سے جنگل میں جہالت ختم ہو چکی تھی۔ ''محبت'' کے دوست جانور اکثر اُسے کہتے کہ تم ہر وقت ہمارے لیے اتنا کچھ کرتے رہتے ہو، کبھی ہم کو بھی موقع دو کہ تمہارے لیے بھی کچھ کریں۔ مگر محبت خرگوش اُن کا شکریہ ادا کرتا اور کہتا کہ جب ضرورت ہوئی تو وہ ضرور بتائے گا۔

ایک دن ''محبت خرگوش'' جنگل میں چہل قدمی کر رہا تھا کہ اُسے خطرہ محسوس ہوا۔ اُس نے پچھلے قدموں پر کھڑے ہو کر اپنے سر کو اونچا اُٹھایا اور اِدھر اُدھر دیکھا تو اُسے شکاری کتے اپنی طرف آتے دکھائی دیئے تو گھبرا گیا اور اُس نے دوڑ لگا دی۔ شکاری کتوں نے بھی اُس کے پیچھے دوڑنا شروع کر دیا۔ شکاری کتوں نے محبت خرگوش کو پکڑنے کے لیے اُس کے گرد گھیرا تنگ کر دیا مگر خرگوش خوش قسمتی سے بچ گیا۔ ''محبت خرگوش'' نے اپنی جان بچانے کے لیے ایک لمبی چھلانگ لگائی اور دوبارہ دوڑنا شروع کر دیا۔ کتوں نے اُس کا کافی فاصلے تک پیچھا کیا۔ محبت خرگوش اپنی جان بچانے کے لیے اندھا دُھند بھاگ رہا تھا اور شکاری کتے تو پاگلوں کی طرح اُس کا پیچھا کر رہے تھے۔ جب ''محبت خرگوش'' بھاگ بھاگ کر تھک گیا تو اُسے اپنی موت قریب محسوس ہونے لگی۔ بھاگ بھاگ کر اُس کی سانس بُری طرح پُھول گئی تھی۔ وہ لمبے لمبے سانس لیتا ہوا بھاگتا جا رہا تھا۔ اس دوران ایک دم اُس کا پاؤں پھسلا اور وہ جھاڑیوں میں گر گیا۔ خرگوش نے سوچا کہ وہ اپنے دوستوں کی ہمیشہ مدد کرتا رہا ہے۔ کیوں نہ وہ اپنے دوستوں کی مدد حاصل کرے، جو ان ظالم شکاری کتوں سے بچا سکے۔ اس سے پہلے کہ ''محبت خرگوش'' اپنے کسی دوست کو مدد کے لیے پکارتا اُس نے دیکھا اچانک اُس کا دوست گھوڑا جھاڑیوں کے پاس سے گزرا ہے۔ ''محبت خرگوش'' نے گھوڑے کو آواز دی اور مدد کرنے کے لیے کہا تو گھوڑا معذرت کرتے ہوئے ہنہنایا: ''محبت دوست'' میں تمہاری مدد ضرور کرتا مگر میں س وقت بہت جلدی میں ہوں۔ مجھے شہر جانا ہے۔ شہر میں فوراً جانا میری مجبوری ہے۔ تم کسی

اور کو بُلا لو۔'' خرگوش نے مسکراتے ہوئے حیرانی سے گھوڑے کو جانے کی اجازت دے دی اور کہا کہ وہ شہر جائے۔ کوئی اور دوست اُس کی مدد کے لیے آ جائے گا۔ اس دوران شکاری کتے ''محبت خرگوش'' کو پکڑنے کے لئے بے چینی سے اِدھر اُدھر دیکھ رہے تھے۔ خرگوش جھاڑیوں میں چھپا بیٹھا جان بچانے کے لیے سوچ رہا تھا کہ اُسے کسی بھاری بھرکم جانور کے چلنے کی آواز سنائی دی۔ اُس کا دوست خطرناک بھینسا آتا دکھائی دیا۔ جس کے بڑے بڑے نوکیلے سینگ تھے۔ جب بھینسا جھاڑیوں کے پاس سے گزرا تو ''محبت خرگوش'' نے اُسے آواز دی: ''بھینسے بھائی! میں اس وقت مشکل میں ہوں۔ میری مدد کرو' شکاری کتے میری جان لینے کے لیے بے چین ہیں۔ خدارا میری مدد کرو'' بھینسے نے خرگوش کی آواز سُن کر کہا: ''اے پیارے دوست! مجھے بے حد افسوس ہے۔ میں تمہاری مدد نہیں کر سکوں گا۔ اصل میں بڑی چراگاہ میں میرے دوست انتظار کر رہے ہیں۔ میں واقعی بہت جلدی میں ہوں۔'' حالانکہ بھینسے کے بھاری جسم اور نوکیلے سینگوں سے شکاری کتے ضرور ڈر کر بھاگ سکتے تھے۔ مگر بھینسے کو چراگاہ پہنچنے کی جلدی تھی۔

''محبت خرگوش'' شکاری کتوں کی آوازیں سُن رہا تھا۔ جو قریب ہی گھوم رہے تھے۔ اتنی دیر میں ''محبت خرگوش'' نے پہاڑی بکرے کو اپنی طرف آتے دیکھا تو مطمئن ہو گیا۔ کیوں کہ بکرے کے لمبے بال اور سینگ دیکھنے والے کو ویسے ہی خوفزدہ کر دینے کے لیے کافی تھے۔ خرگوش نے بکرے کو رُکنے کا کہا اور مدد کرنے کے لیے التجا کی۔ بکرا منہ میں منمنایا اور بولا:

''ارے بھائی محبت! میری شخصیت لڑائی پسند نہیں ہے۔تم مجھے خوب جانتے ہو۔ میں لڑائی جھگڑے سے دور رہتا ہوں۔ میری پُرامن طبیعت کسی بھی مقابلے کو زیب نہیں دیتی۔اس لیے میں آپ سے معذرت خواہ ہوں۔'' خرگوش تیسری بار ناکامی سے دل برداشتہ ہوگیا۔اُس کو اپنے دوستوں پر جتنا بھروسہ تھا' وہ اتنا ہی بے زار ہوگیا تھا۔اب خرگوش کو احساس ہوگیا تھا کہ جھوٹے دوست کبھی مشکل حالات میں مدد نہیں کر سکتے۔کبھی اُن پر بھروسہ نہیں کرنا چاہیے۔ ''محبت خرگوش'' ابھی اپنے دوستوں کے رویئے دیکھ کر سوچ رہا تھا کہ شکاری کتے اُس کی بُو پاتے ہوئے جھاڑیوں کے پاس پہنچ گئے۔خرگوش نے شکاری کتوں کو اپنے بہت قریب دیکھا تو گھبرا کر جھاڑی سے باہر بھاگا مگر کتوں نے خرگوش کو مضبوطی سے پکڑ لیا اور اُسے گھسیٹتے ہوئے جھاڑیوں سے باہر لے آئے۔اب اُنہوں نے خرگوش پر مضبوط گرفت کی ہوئی تھی۔کتوں نے منٹوں میں خرگوش کو کئی حصوں میں بانٹ دیا اور خوب مزے سے خرگوش کا گوشت کھانے لگے۔

اچھے بچو!

جھوٹے دوستوں کی دوستی پر کبھی بھروسہ مت کرو۔مشکل وقت آنے پر سب دھوکا دیتے ہیں۔

☆ ☆ ☆

مفید تحفہ

شاہ محمد بہت محنتی اور عقل مند انسان تھا۔ اس کی زمین ویسے تو بہت کم تھی مگر وہ اس تھوڑی سی زمین سے بہت محبت کرتا تھا۔ زمین پر جو فصل بوتا' اُس کی خوب دل لگا کر رکھوالی کرتا اور فصل تیار ہونے پر خوب منافع کماتا تھا۔ شاہ محمد اس صورت حال سے بہت مطمئن تھا۔ ایک دن وہ نئی فصل کے لیے بیج پھینکنے گیا تو اُس نے اپنے کھیت کے پاس ایک بونا آدمی دیکھا۔ بونا آدمی بہت چھوٹے قد کا ہوتا ہے۔ اتنا چھوٹا کہ اُس کو اپنے ہاتھ پر بٹھا سکتے ہیں۔ شاہ محمد نے اپنے بڑوں سے بونوں کے متعلق بہت سی کہانیاں سُنی ہوئی تھیں۔ مگر آج جب اُس نے اپنی آنکھوں سے بونے آدمی کو دیکھا تو وہ حیران رہ گیا۔ شاہ محمد نے بونے آدمی کو اپنے ہاتھوں میں اُٹھایا اور اپنے چہرے کے پاس لا کر بولا: ''السلام علیکم'' بونے نے سلام کا جواب دیا اور کہا: ''میں تمہارے لیے ایک خوش خبری لایا ہوں''۔ شاہ محمد نے یہ بات تو سُن رکھی تھی جہاں پر بونے آدمی ہوتے ہیں وہاں زمین کے نیچے بہت سی دولت چھُپی ہوتی ہے۔ چوں کہ یہ بونے آدمی کچھ خرچ تو کرتے نہیں ہیں اور جو دولت اکٹھی کرتے ہیں وہ جمع کرتے رہتے ہیں۔ شاہ محمد نے بونے آدمی سے کہا: ''آپ میرے لیے کیا خوش خبری لائے ہیں؟ کیا

کوئی خزانہ دینا ہے؟'' بونے آدمی نے مسکراتے ہوئے کہا کہ ''تم بہت عقل مند انسان ہو۔مگر میں تم کو ایک شرط پر خزانہ دوں گا کہ تم ایک سال کی جو فصل بیجو اُس کا آدھا حصہ مجھے دو گئے۔'' شاہ محمد نے دل میں سوچا کہ ایک سال کی آدھی فصل دے کر خزانہ مل جائے تو کوئی گھاٹے کا سودا نہیں ہوگا۔شاہ محمد نے بونے آدمی سے کہا: ''مجھے آپ کی شرط قبول ہے۔مگر یہ بتاؤ کہ آپ فصل کا کون سا حصہ لو گے؟'' بونے آدمی نے سوچا: ''چاول اور گندم اگاتا ہوگا'' اب جبکہ شاہ محمد خزانے کے لالچ میں پھنس چکا ہے تو اس سے ایک اور شرط منوالوں''۔ یہ سوچ کر بونے آدمی نے شاہ محمد سے کہا: ''آپ جو بھی فصل اُگاؤ گے اُس کا اوپر والا حصہ میرا ہوگا اور نیچے والا حصہ آپ خود رکھ لینا۔'' شاہ محمد اس انوکھی شرط کو سُن کر حیران ہوگیا مگر کچھ سوچ کر وہ مطمئن ہوگیا۔اب جب کھیت میں ہل چلانے اور فصل اُگانے کا وقت آیا تو شاہ محمد نے چاول یا گندم کی فصل اُگانے کی بجائے آلو کے بیج بو دیئے۔بونا آدمی اس چیز سے لاعلم تھا۔اُسے تو یہی پتہ تھا کہ جو بھی فصل تیار ہوئی تو شاہ محمد نے معاہدے کے مطابق فصل کا نیچے والا حصہ خود رکھ لیا اور اُوپر والا حصہ بونے آدمی کے سپرد کردیا۔چوں کہ آلو جڑ ہوتے ہیں۔اس لیے شاہ محمد کے حصے میں آلو آ گئے اور بونے آدمی کو آلو کی فصل کے پتے ملے۔اب بونے آدمی نے شرط لگائی جو بھی فصل آئے اُس کا نیچے والا حصہ اُسے دیا جائے اور اوپر والا شاہ محمد خود رکھ لے۔شاہ محمد بونے آدمی کی چالاکی سمجھ گیا۔اُس نے پھر حامی بھری اور جب کھیت فصل اُگانے کے قابل ہوا تو اُس نے گندم اُگالی۔اب جب فصل پک کر تیار ہوئی تو طے شدہ معاہدے کے مطابق شاہ

محمد نے فصل کا نیچے والا حصہ بونے آدمی کے سامنے رکھ دیا اور فصل کا اوپر والا حصہ اپنے گھر لے گیا۔ اس مرتبہ پھر بونے آدمی کو شدید نقصان ہوا تھا۔ کیوں کہ گندم کا اناج پودے کے اوپر والے حصے میں ہوتا ہے اور نیچے صرف بھوسہ ہوتا ہے۔ اب جب شاہ محمد نے خزانے کا پوچھا تو بونے آدمی نے کہا۔ ''میں تم کو ابھی نہیں بتاؤں گا۔ یہ میری آخری شرط ہوگی۔ اگر اس بار فصل میرے فیصلے کے مطابق مجھے دی تو میں تمہیں خزانے کا ضرور بتا دوں گا۔'' شاہ محمد کو بونے آدمی کی چالاکی پر بہت غصہ آیا مگر اُس کو خزانے کا ضرور پتہ کرنا تھا۔ اس لیے اُس نے بونے آدمی سے کہا: ''یہ آخری بار ہوگا۔ اس کے بعد تم نے مجھے خزانے کا نہ بتایا تو میں خود پتا کرلوں گا۔'' بونے آدمی نے شاہ محمد کی طرف دیکھا اور بولا: ''ٹھیک ہے۔ یہ آخری بار کی حصہ داری ہوگی۔ اب جو بھی فصل آئے گی اُس کا اوپر والا اور نیچے والا حصہ میرا ہوگا اور درمیان والا تمہارا ہوگا۔'' بونے آدمی نے سوچا اگر اس بار شاہ محمد آلو بیجے گا تو پھر مجھے اناج مل جائے گا اگر اس نے گندم یا چاول بوئے تو پھر بھی اناج میرے حصے میں آئے گا۔ شاہ محمد نے اس فیصلے کو بھی منظور کرلیا اور فصل اُگانے کی تیاری کرنے لگ گیا۔ بونا آدمی اس بار بہت خوش تھا۔ اس بار شاہ محمد نے مکئی اُگائی۔ جب فصل پک گئی تو اُس نے فیصلے کے مطابق فصل کا اوپر والا اور نیچے والا بونے آدمی کے آگے رکھ دیا اور درمیان والا حصہ خود لیا اور گھر کی طرف چلا گیا۔ مکئی کے بھٹے چوں کہ پودے کے درمیان اُگتے ہیں، اس لیے شاہ محمد اپنی عقلمندی کی وجہ سے اس بار پھر کامیاب ہوگیا۔ وہ فصل اپنے گھر چھوڑ کر کھیت کی طرف آیا تو بونے آدمی کو افسردہ اور پریشان دیکھ کر

بولا: ''بھائی صاحب! آپ خود کو بہت عقلمند اور تیز طرار سمجھتے ہو۔ مگر عقل کسی کی ملکیت نہیں ہوتی۔ یہ اللہ کریم کی طرف سے عطاء ہوتی ہے۔ اگر اب بھی تم کو کوئی نئی شرط عائد کرنی ہے تو میں تیار ہوں۔ میرا اللہ مجھے اُس کا حل بھی بتا دے گا۔

بونے آدمی نے افسردہ اور مایوس ہوکر شاہ محمد کو کہا: ''میں نے تو سوچا تھا تم پر بھاری شرط عائد کر کے میں مزید دولت اکٹھی کرلوں گا۔ مگر تم نے اپنی عقلمندی سے یہ ثابت کر دیا ہے تم اس دولت کے اصل حق دار ہو۔ میں اپنی چالاکی پر بہت شرمندہ ہوں۔ اب چوں کہ تم ہر بار کامیاب ہوئے تھے اس لیے میں تم کو خزانے کا بھی بتا رہا ہوں۔ تم میرے ساتھ کھیت میں آؤ۔'' شاہ محمد نے بونے آدمی کو ہاتھ پر بٹھایا اور کھیت میں آ گیا۔ ایک جگہ پہنچ کر بونے آدمی نے رُکنے کا کہا اور بولا: ''چوں کہ تم ہر سال محنت کرتے تھے اور میں تمہاری محنت کے صلے پر قبضہ کرنا چاہتا تھا' مگر میں ناکام رہا۔ اب تم اس جگہ پر گہری کھدائی کرو۔ یہاں پر اتنا خزانہ ہے جس کو خرچ کرنے پر تمہاری کئی نسلیں تھک جائیں گی۔ مگر یہ ختم نہیں ہوگا۔'' شاہ محمد نے اُس جگہ پر کھدائی کی تو واقعی وہاں سے ہیرے جواہرات سے بھرے برتن نکل آئے۔ شاہ محمد نے خزانہ نکالا اور اُس کا آدھا حصہ گاؤں کے مستحق افراد میں تقسیم کر دیا اور بونے کو اپنے پاس رکھنے کا فیصلہ کیا۔ اب بونا آدمی شاہ محمد کے گھر میں رہتا ہے اور دونوں مل کر کھیتی باڑی کرتے ہیں۔

اچھے بچو!

ذہانت اللہ کریم کا مفید تحفہ ہے۔ جو محنتی انسان کو ملتا ہے۔

دوستی میں سلامتی تھی

جنگل بہت سرسبز تھا۔تمام جانور آپس میں اتفاق اور محبت سے رہتے تھے۔ایک دوسرے کا بے حد خیال رکھتے اور کسی بھی وقت کوئی مشکل یا مصیبت آجاتی تو مل کر اُس کا مقابلہ کرتے تھے۔اسی جنگل میں تین بیل رہتے تھے۔جن کی آپس میں خوب دوستی تھی۔تینوں بیل ہمیشہ مل جل کر رہتے اور جہاں بھی جاتے تینوں اکٹھے جاتے تھے۔آپس کے اتفاق سے تینوں خوب جی بھر کر چارہ کھاتے اور خوب کھیلتے تھے۔ان بیلوں میں ایک کا رنگ سیاہ، دوسرے کا بھورا اور ایک سفید رنگ کا تھا۔یہ تینوں بیل بہت طاقت ور اور خوب صحت مند تھے۔پورا جنگل ان کی دوستی کی مثالیں دیتا تھا۔تمام جانور ان کی دوستی کو رشک بھری نظروں سے دیکھتے تھے۔

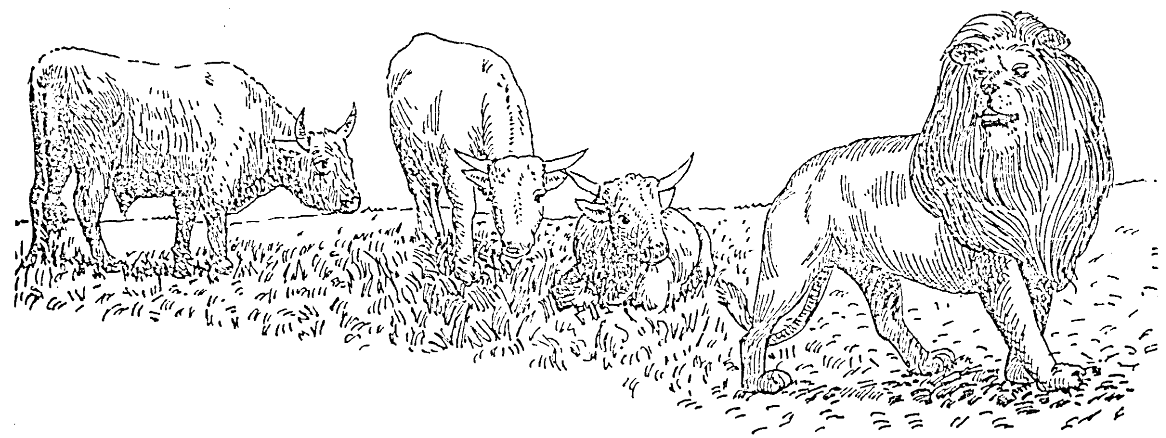

ایک دن یہ بیل خوب مزے سے گھاس کھا رہے تھے کہ وہاں سے ایک شیر گزرا۔شیر نے جب اتنے صحت مند، موٹے تازے بیل دیکھے تو دل ہی دل میں خوش ہو گیا۔شیر کا منہ پانی سے بھر آیا اور وہ خوب دھاڑ کر بولا: ''تم تینوں خوب صحت مند ہو۔تمہارا گوشت اور خون مجھے بھی صحت مند کر دے گا۔میں تم تینوں کو کھا جاؤں گا۔'' شیر کی بات سُن کر تینوں بیل ہری بھری گھاس چھوڑ کر ایک ساتھ کھڑے ہو گئے۔اُنہوں نے اپنے کندھے ایک دوسرے کے کندھوں کے ساتھ جوڑ لیا اور اپنے بڑے بڑے نوکیلے سینگوں کا رُخ شیر کی طرف کر کے تینوں نے مل کر شیر کو خوب جی بھر کر ٹکریں ماریں۔شیر نے بہت کوشش کی کہ وہ اُن کے چاروں طرف گھوم کر کسی بھی طرح بیلوں پر حملہ کرنے کا موقع حاصل کر لے۔مگر اُسے ناکامی ہوئی۔تینوں بیلوں نے مل کر شیر کا مقابلہ کیا تھا۔اس لیے شیر کے بھاگنے کے بعد وہ تینوں بہت خوش ہوئے کہ ہم نے مل کر ایک بہت بڑی مصیبت کا مقابلہ کیا ہے۔اگر ہم اسی طرح مل کر رہے تو ہمیں کوئی بھی نقصان نہیں پہنچا سکے گا۔یہ سب ہمارے اتفاق کی وجہ سے ہوا ہے۔ورنہ شیر کے حملے سے بچ جانا بڑی قسمت کی بات ہے۔

بیلوں سے مار کھانے کے بعد اب شیر سوچ میں پڑ گیا۔وہ اتنے صحت مند اور مزے دار بیلوں کا شکار ناکام ہونے پر سخت پریشان تھا۔وہ سوچنے لگا کہ وہ کیا کرے کہ خوب مزے دار بیل اُس کی خوراک بن جائیں۔یہ سوچ کر اُس کے ذہن میں ایک ترکیب آئی کہ ان بیلوں کا آپس میں بہت اتفاق ہے۔اگر وہ کسی طرح ان بیلوں کا اتفاق ختم کر دے تو ان کا شکار بہت آسان ہو جائے گا۔ان بیلوں کی آپس میں لڑائی کی وجہ سے وہ تینوں کو الگ الگ شکار کر کے

آسانی سے کھا سکتا ہے۔ شیر نے اپنی سوچ کو عملی شکل دینے کے لیے جب تینوں بیل الگ الگ گھاس کھا رہے تھے کہ شیر سفید بیل کے پاس گیا۔ بیل نے جب شیر کو اپنی طرف آتا دیکھا تو اُس نے اپنے سینگوں کا رُخ شیر کی طرف موڑتے ہوئے حملہ کا جواب دینے کے لیے خود کو تیار کرلیا۔ اُس نے دیکھا کہ کالا اور بھورا بیل اُس سے بہت فاصلے پر گھاس کھا رہے تھے۔ شیر نے بیل کی نیت جانتے ہوئے کہا: ''بیل جی! آپ کو میں اُس روز کھا نہیں سکا تھا۔ کیوں کہ آپ بہت طاقت ور ہیں آپ کی طاقت کا اندازہ مجھے اُسی دن ہوا تھا۔ مگر آپ کا دوست کالا بیل مجھے بتا رہا تھا کہ آپ بہت کمزور ہیں۔ اگر وہ آپ کے پاس نہ ہوتا تو یقیناً آپ کی ایک بوٹی بھی نہ بچتی۔ یہ سُن کر سفید بیل کو بہت غصہ آیا اور بولا اُس کالے کی یہ مجال؟ وہ میرے خلاف باتیں کرتا ہے۔ میں نے اس بات کو کئی بار محسوس کیا تھا مگر اُسے اپنا دوست سمجھ کر خاموش رہا۔ مگر آج آپ نے میرے شک کو یقین میں بدل دیا ہے۔ میں اُس کالے سے بہت طاقت ور ہوں۔ میں اُسے ایسا سبق سکھاؤں گا کہ وہ ساری زندگی یاد رکھے گا۔ میں اُس کالے کو پہلے ہی پسند نہیں کرتا تھا۔ وہ سراسر فسادی ہے؟''

شیر کو اپنی چال کامیاب ہوتی نظر آئی تو وہ دل ہی دل میں خوش ہوگیا۔ سفید بیل اب شیر کی مکاری میں آچکا تھا۔ اب سفید بیل بُری طرح غصے میں تھا اور وہ کالے بیل سے لڑنے کے لیے بالکل تیار تھا۔ اگر اس لڑائی میں اُسے کالے بیل کی جان بھی لینی پڑ جائے تو وہ یہ سب ضرور کرے گا۔ شیر سفید بیل کے بدلتے ہوئے تیور دیکھ کر بہت خوش تھا۔ وہ سوچنے لگا کہ اگر یہ تینوں آپس میں لڑ پڑیں تو میرا مقصد پورا ہوجائے گا۔ شیر خیال ہی خیال میں مزے دار گوشت کا مزہ لے رہا تھا۔

اس کے بعد شیر موقع پا کر کالے بیل کے پاس چلا گیا۔ کالے بیل نے شیر کو دیکھا تو اُس پر حملہ کرنے لگا تھا کہ شیر نے ہاتھ جوڑ کر بولا: ''بیل بھائی! میں تم پر حملہ کرنے نہیں آیا بلکہ تم کو حقیقت بتانے آیا ہوں۔ تم مجھے ایک بات تو بتاؤ۔ کہ تم تینوں میں سے کون سب سے زیادہ صحت منداور طاقت ور ہے؟ تم تینوں میں سب سے زیادہ خوب صورت ہونے کا اعزاز کس کو حاصل ہے؟ کالے بیل نے نتھنوں سے زور دار سانس لی اور بولا: ''ہم تینوں ایک جیسے ہیں۔ ہم تینوں خوب صورت، صحت منداور طاقت ور ہیں''۔ شیر یہ جواب سُن کر بولا: ''میں تمہاری بات پر اتفاق کرتا ہوں۔ مگر میرے خیال میں تم اُن دونوں سے زیادہ خوبصورت، جوان طاقت ور اور صحت مند ہو۔ اُس دن اگر تم مجھ پر حملہ نہ کرتے میں اُن دونوں کو کھا جاتا۔ مجھے تمہاری طاقت کو دیکھ کر بہت خوشی ہوئی۔ تم اُن دونوں سے زیادہ اچھے ہو۔ بیل بھائی! میں صرف آپ کی طاقت کی وجہ سے آپ کو کھا نہیں سکا تھا۔ اپنی تعریف سُن کر کالا بیل خوشی سے پھُول گیا۔ شیر نے کالے بیل کو بھی اپنے جھانسے میں آتا دیکھا تو کہنے لگا۔ کل سفید بیل میرے پاس آیا تھا۔ اُس نے بڑے فخر سے بتایا کہ وہ سب سے زیادہ طاقت ور ہے۔ کالا بیل تو میرے مقابلے میں بالکل بچہ ہے۔ اُسے سوائے کھانے کے کچھ نہیں آتا۔ شیر کالے بیل کے چہرے پر آتے تاثرات دیکھ کر بولا: ''سفید بیل تو یہاں تک کہہ رہا تھا کہ اگر اُس دن وہ تم دونوں کو نہ بچاتا تو کالا بیل سب سے پہلے مارا جاتا''۔ کالے بیل نے غصے سے اپنا پاؤں زمین پر مارا اور بولا: ''اس کی یہ مجال؟ میرے بارے میں ایسی باتیں

کرے۔ میں اُس کو ایسا سبق سکھاؤں گا کہ اُسے چھٹی کا دودھ یاد آ جائے گا۔ اگر میں اُس وقت تم پر زیادہ حملے نہ کرتا تو یقیناً اُس دن سب سے پہلے سفید بیل تمہارا شکار ہوتا۔ اُس موٹو کو سوائے کھانے اور سونے کے کچھ آتا کب ہے؟ اگر اُس نے آئندہ ایسی کوئی بات کہی، تو میں اُسے خوب مزہ چکھاؤں گا۔

کالے بیل کے کان بھرنے کے بعد شیر سیدھا بھورے بیل کے پاس گیا اور اُس کو مخاطب کر کے بولا: ''وہ کالا بیل مجھے بتا رہا تھا کہ اگر ہم تینوں میں سے کسی کو کھانا چاہتے ہو تو سیدھا بُھورے بیل کے پاس چلے جاؤ۔ کیوں کہ وہ ہم میں سب سے کمزور ہے۔ اُس مڑیل بیل کو تم بہت آسانی سے کھا سکتے ہو''۔ یہ سُن کر بھورا بیل بُری طرح سٹپٹا گیا اور بولا: ''میں نے ہر مصیبت میں اُن کا ساتھ دیا ہے۔ میں نے جہاں بھی ہری بھی گھاس دیکھی سب سے پہلے اُن کو بتایا۔ میں نے ہمیشہ اُن کا بھلا سوچا مگر اُن کی ذہنی سوچ سُن کر مجھے دلی دکھ ہوا ہے۔ اُن کی یہ مجال کہ وہ میرے خلاف باتیں کریں۔ میں اُن دونوں کو اچھی طرح دیکھوں گا۔''

اب شیر اپنے منصوبے میں کامیابی پر بہت خوش تھا کہ اُس نے اپنی عقل مندی سے تینوں کو خوب بے وقوف بنایا ہے۔ شیر نے چالاکی سے تینوں بیلوں کو ایک دوسرے کے خلاف کر دیا تھا۔ اب وہ تینوں بیل ایک دوسرے کی جانوں کے دشمن ہو گئے تھے۔ اگلے دن جب تینوں بیل اکٹھے ہوئے تو کوئی کلام کیے بغیر ایک دوسرے کو سینگوں سے بُری طرح مارنے لگے۔ اس دوران خوب دُھول اُڑی۔ تینوں بیل اتنا لڑے کہ تھک ہار کر بُری طرح ہانپنے لگ

گئے۔ تینوں بُری طرح تھک چکے تھے اب اُن سے ہلنا بھی دشوار تھا۔ شیر تو اسی لمحے کی انتظار میں تھا۔ وہ فوراً اپنی

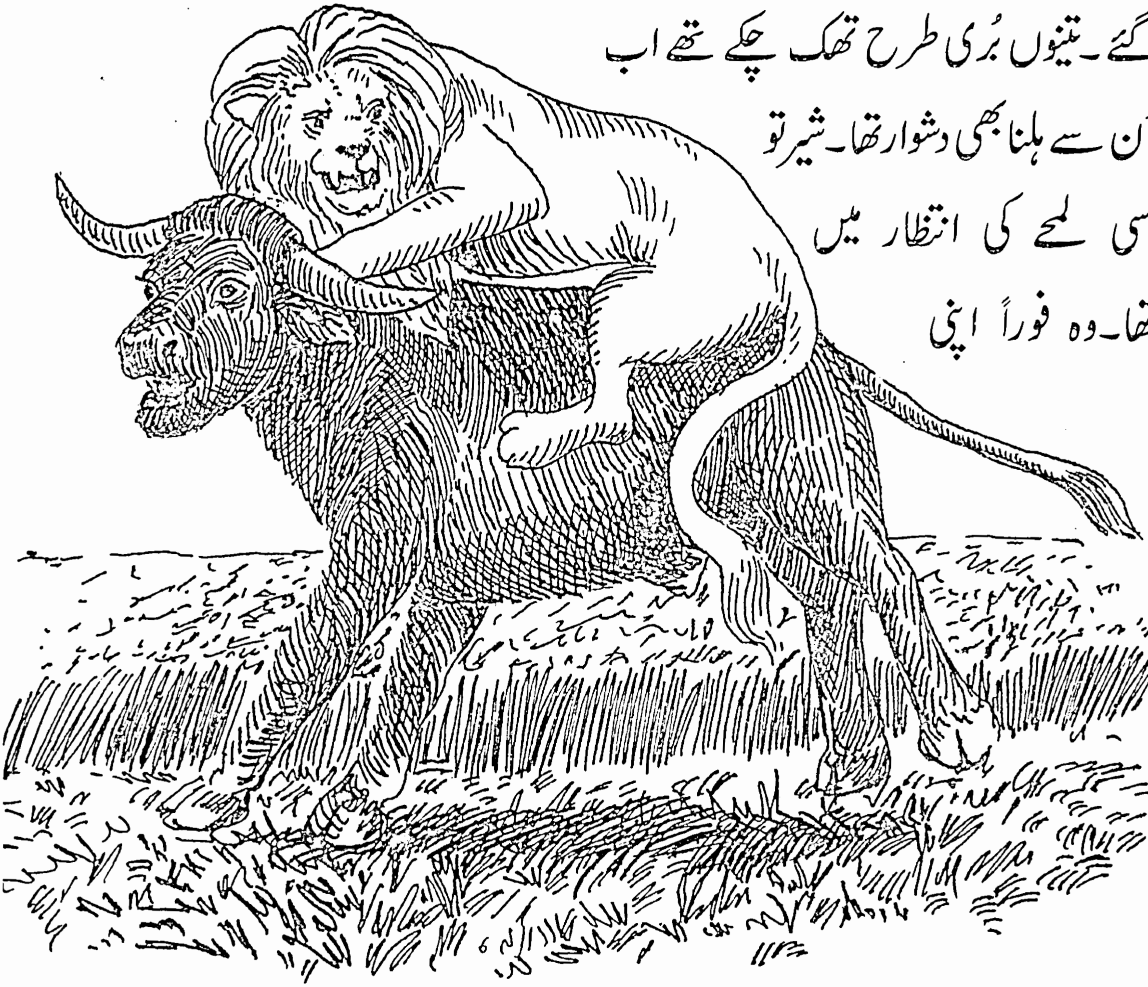

بھرپور طاقت سے ان پر حملہ آور ہوا اور ایک ایک کر کے تینوں بیلوں کو پکڑ کر کھا گیا۔ یہ تینوں بیل وہی تھے جنہوں نے آپس میں اتفاق رکھتے ہوئے شیر کا مقابلہ کیا تھا اور شیر کو بھاگنے پر مجبور کر دیا تھا۔ اب وہی بیل اپنی نااتفاقی کی وجہ سے شیر کا شکار ہو گئے تھے۔

پیارے بچو! کبھی بھی اپنے دوستوں پر شک مت کرو۔ کسی کے اُکسانے پر آپس کا اتفاق ختم نہ ہونے دو۔ اسی میں سلامتی ہے۔

✪ ✪ ✪

سمجھدار ریچھ

سورج طلوع ہوا تو جنگل کے تمام جانور بھی نیند سے بیدار ہو گئے۔ صبح سویرے ہوا بھی ٹھنڈی چل رہی تھی۔ پرندے خوشگوار موسم سے خوش ہو کر میٹھی میٹھی آواز میں چہک رہے تھے۔ جنگل کے خونخوار درندے اپنے جنگل میں شکار نہیں کرتے تھے۔ بلکہ وہ شکار کی تلاش میں پہاڑوں یا دوسرے جنگل کا رُخ کرتے تھے۔ اپنے جنگل کے تمام جانوروں اور پرندوں کا وہ بہت احترام کرتے تھے اور ان کی آپس میں بہت گہری دوستی بھی تھی۔

اس جنگل میں ایک گیدڑ بھی تھا۔ جو صبح اُٹھ کر خوراک کی تلاش میں جنگل سے باہر پہاڑوں کی طرف چل پڑا۔ راستے میں وہ شکار کی تلاش کر رہا تھا مگر اُسے کہیں سے کوئی کامیابی نہ ہوئی۔ گیدڑ آہستہ آہستہ آگے قدم بڑھاتا ہوا اِدھر اُدھر شکار ڈھونڈتا رہا۔ ابھی گیدڑ پہاڑ پر لگے درختوں کے جنگل میں آیا ہی تھا کہ اُس نے ایک عجیب وغریب آواز سُنی۔ اُسے محسوس ہوا جیسے کوئی کچھ کُھرچ رہا ہے۔ گیدڑ نے آس پاس پھیلے درختوں کو غور سے دیکھا تو اُس کی پریشانی دور ہو گئی۔ گیدڑ نے دیکھا ایک ریچھ درخت کے نیچے کھڑا اپنے پاؤں کے ناخنوں کو درخت کے موٹے تنے کے ساتھ رگڑ رہا تھا۔ اُس کی اس حرکت سے کھرچنے کی عجیب وغریب آواز

آ رہی تھی۔ گیدڑ کو ریچھ سے کوئی خطرہ نہیں تھا۔ کیوں کہ ریچھ اُس کو اکثر اس علاقے میں ملتا رہتا تھا۔ آتے جاتے ملنے سے اُن کی آپس میں بہت گہری دوستی ہوگئی تھی۔ اس لیے گیدڑ فوراً ریچھ کے پاس چلا گیا۔ گیدڑ اُس کی طرف بڑھتے ہوئے سوچنے لگا کہ اس ریچھ کو آج کیا ہو گیا ہے؟ جو اپنے پنجوں کو درخت سے رگڑ رہا ہے؟ حالانکہ گیدڑ خود بہت سمجھدار اور عقلمند تھا مگر وہ ریچھ کی اس حرکت کو بالکل جان نہیں پایا تھا۔ گیدڑ جب ریچھ کے پاس پہنچا تو تعریفی کلمات کے بعد گیدڑ نے ریچھ سے پوچھا: ''ارے بھالو جی! آج تم کو کیا ہو گیا ہے؟ جو تم اپنے پاؤں کے ناخنوں کو درخت کے تنے سے رگڑ رہے ہو؟ حالانکہ یہاں قریب کوئی شکار نظر نہیں آ رہا۔ میں تمہاری اس عجیب وغریب حرکت سے بہت حیران ہوا ہوں۔ مجھے اپنی اس حرکت کا اصل مقصد بتانا چاہو گے؟

ریچھ نے پاؤں کے ناخن تیز کرتے ہوئے ہلکا سا قہقہہ لگایا اور بولا: ''گیدڑ جی! آپ بھی کمال کرتے ہو۔ بظاہر یہاں کوئی شکار نظر نہیں آ رہا مگر پیارے دوست، یہ کہاں کی عقلمندی ہے کہ آگ لگنے کے بعد کنواں کھودا جائے؟ آنے والے وقت کا سامنا کرنے کے لیے ہمیشہ تیار رہنا چاہیئے۔ عقلمند اور سمجھدار وہی ہوتا ہے جو آنے والے وقت کی پہلے سے تیاری کر کے رکھے۔ پھر ہم جس جگہ پر رہتے ہیں وہاں پر دشمن ہمیشہ تاک میں رہتا ہے۔ کس کو معلوم کہ کب دشمن حملہ کرنے کے لیے سامنے آ جائے۔ اس لیے میں اُس وقت کا سامنا کرنے کے لیے ابھی سے تیاری کر رہا ہوں۔ دشمن کا مقابلہ اُسی وقت ممکن ہے جب آپ کے پاس بہتر ہتھیار ہو۔

میرا بہترین ہتھیار میرے ہاتھ اور پاؤں کے ناخن ہیں۔ان کی مدد سے میں کسی بھی خطرناک دشمن کا مقابلہ کر سکتا ہوں۔

گیدڑ نے ریچھ کی بات سُن کر اُس کی تعریف کی۔ریچھ نے گیدڑ سے کہا: ''گیدڑ جی! آپ کو بھی اس حوالے سے پہلے تیار رہنا چاہئیے۔میں اُس وقت سے گھبراتا ہوں جب کسی دشمن نے مجھ پر حملہ کر دیا تو اُس کا مقابلہ کرنے کے لیے میرے پاس شائد موقع نہ ہو کہ میں اپنے پنجے کو تیز کر سکوں۔کیونکہ جب دشمن حملہ کرتا ہے تو اچانک کرتا ہے۔کبھی بھی کسی دشمن کو کمزور نہیں سمجھنا چاہئیے مگر اُس کا مقابلہ کرنے کے لیے خود کو ہمیشہ تیار تو رکھنا چاہیے۔'' گیدڑ نے ایک بار پھر ریچھ کی سمجھداری کی خوب تعریف کی اور ساری بات سے مطمئن ہو گیا۔اب گیدڑ نے ریچھ سے اجازت لی اور پہاڑوں کی طرف چل پڑا۔کیونکہ اُسے شدید بھوک لگی ہوئی تھی۔

اچھے بچو!

بُرے وقت کے لیے ہمیشہ تیار رہنا چاہیے۔کسی بھی وقت اُس کا سامنا ہو سکتا ہے۔

✪ ✪ ✪

جھوٹی تعریف

چودھری وقار صبح سویرے اُٹھ کر نماز پڑھتا تھا۔ نماز کے بعد وہ گھر کے باہر بنے باغیچے میں ورزش کرتا تھا۔ ورزش کے بعد دیسی گھی کی چُوری کھانے کی عادت اُسے بچپن سے تھی۔ ورزش اور خالص چیزیں کھانے کے باعث اُس کی صحت بہت اچھی تھی۔ ایک دن چودھری وقار باغیچے میں رکھی چارپائی پر بیٹھا چُوری کھا رہا تھا کہ اچانک ایک کوا اُس کے پاس آ کر بیٹھ گیا۔ چودھری وقار نے کئی بار کوے کو اُڑایا مگر وہ نہ اُڑا۔ کوے نے چودھری وقار کی نظروں سے بچتے ہوئے چُوری کا ٹکڑا اُٹھایا اور پھُرتی سے اُڑ گیا۔ چودھری وقار بے چارہ کوے کی پھُرتی دیکھتا ہی رہ گیا۔ اُسے کوے کی یہ حرکت بہت بُری لگی تھی۔

کوا منہ میں چُوری کا ٹکڑا دبائے اپنے ٹھکانے میں پہنچ گیا۔ دیسی گھی کی چُوری کوے کو بھی بہت پسند تھی۔ اس لیے اُس نے ایک لمبی سانس لی اور چُوری کھانے لگا تھا۔ چُوری کی خوشبو سونگھتے ہوئے بی لومڑی بھی وہاں آ گئی۔ کوا لومڑی کو دیکھ کر جلدی سے اوپر کی طرف اُڑا اور درخت کی شاخ پر جا کر بیٹھ گیا۔ بی لومڑی اپنی چالاکی کی وجہ سے پورے علاقے میں مشہور تھی۔ بی لومڑی نے کوے سے کہا: ”کوے بھائی! تم تو بہت خوب صورت پرندے ہو“۔ کوا

بہت بے وقوف تھا۔ بی لومڑی کی باتوں کی طرف بھر پور توجہ دے کر دیکھنے لگا۔ بی لومڑی بولی: ''بھائی کوے! تم جیسا قدرتی رنگ کسی بھی پرندے میں نہیں ہے اور تمہارے پر تو اتنے غضب کے خوب صورت ہیں کہ مور بھی حیران رہ جائے۔ تمہارے کالے پروں میں جو حسن ہے وہ کسی اور پرندے میں نہیں ہے''۔ کوا اپنی تعریف سُن کر بڑا خوش ہوا۔ اُس نے اپنے پر فضا میں پھیلائے اور خوشی کا اظہار کیا۔ لومڑی نے مزید چالاکی دکھائی اور بولی: ''ارے میں نے تمہاری چونچ تو اب دیکھی ہے' کیا خوب صورت چونچ ہے۔ ایسے لگتا ہے جیسے ہیرا چمک رہا ہے۔'' کوے نے اپنے سر کو خوشی سے ہلایا۔ لومڑی سمجھ گئی کہ کوا مکمل جھانسے میں آچکا ہے۔ اب آخری داؤ کھیلو اور دیسی گھی کی چوری حاصل کر کے مزے مزے سے کھالو۔

بی لومڑی بولی: ''کوے بھائی! تم خود تو بہت خوب صورت ہو یقیناً تمہاری آواز بھی بے حد خوب صورت اور سُریلی ہوگی''۔ کوے نے لومڑی کی یہ بات سُنی تو خوشی سے جھوم اُٹھا اور اتنا خوش ہوا کہ ''کائیں کائیں'' کی آواز نکالنے کے لئے منہ کھولا ہی تھا کہ چوری کا ٹکڑا نیچے گرا اور بی لومڑی نے آگے بڑھ کر پھُرتی سے اُسے پکڑ لیا۔ اب لومڑی چوری مزے لے لے کر کھا رہی تھی۔ جبکہ کوا درخت پر بیٹھا اپنی بے وقوفی پر پچھتا رہا تھا۔ کوے نے اپنی بے وقوفی کی وجہ سے دیسی گھی کی چوری کا ٹکڑا گنوا لیا اور بی لومڑی اپنی چالاکی کا فائدہ اُٹھا کر مزے مزے سے چوری کھا رہی تھی۔

اچھے بچو!

کبھی بھی کسی سے اپنی تعریف سُن کر آپے سے باہر نہیں ہونا چاہیے۔

✪ ✪ ✪

احمق جیکی

ایک موٹا سا کتا ہر کسی کو خوب تنگ کرتا تھا۔ راہ چلتے لوگوں پر بھونکنا اس کی عادت بن چکی تھی۔ اس موٹے کتے کو اس کے مالک نے آزاد کر دیا تھا۔ کیوں کہ یہ ملک صاحب کے بیٹے کو تین مرتبہ کاٹ چکا تھا۔ وہاں جب کوئی مہمان آتا تو اُس کو دیکھ کر خوب شور مچاتا تھا۔ جس کی وجہ سے ملک صاحب نے اس کو گاڑی میں بٹھایا اور سمن آباد سے نکل کر ماڈل ٹاؤن پارک کے پاس جا کر اس موٹے کتے کو آزاد کر دیا اور خود گاڑی میں بیٹھ کر گھر واپس آ گئے۔ موٹا کتا اپنے مالک کو جاتے دیکھ کر بہت افسردہ ہوا مگر جب اُس نے اپنے اردگرد نظر دوڑائی تو اُسے یہ علاقہ بہت اچھا لگا۔ ملک صاحب نے اپنے کتے کا نام ''جیکی'' رکھا ہوا تھا۔ جیکی چھوٹا ہوتے ہوئے بہت پیارا لگتا تھا مگر جیسے جیسے یہ بڑا ہوتا گیا اس کی عادتیں بگڑتی گئیں۔

''جیکی'' اپنی مستی میں ماڈل ٹاؤن پارک کا چکر لگا رہا تھا کہ اچانک اُس کو ایک چھوٹا سا پلاّ نظر آیا۔ جو ہڈی منہ میں دبائے سڑک کے درمیان کھڑا تھا۔ جیکی ہڈی حاصل کرنے کے لیے غراّتے ہوئے پلے کی طرف بھاگا۔ پلےّ نے جب جیکی کو اپنی طرف آتے دیکھا تو پریشان ہو گیا اور اس سے پہلے کہ جیکی اُس کے پاس پہنچتا وہ پلاّ ہڈی وہیں چھوڑ کر فوراً بھاگ گیا۔ جیکی

جب ہڈی کے پاس پہنچا تو تازہ گوشت کی بڑی ہڈی دیکھی تو اُس کے منہ میں پانی آ گیا۔ جیکی نے سوچا کہ وہ وہیں بیٹھ کر ہڈی کھا لے۔ مگر اُس کے دماغ میں ایک خیال آیا کہ اگر یہاں پر اُس سے بھی طاقت ور کوئی کتا آ گیا تو وہ ہڈی چھوڑ کے پلّے کی طرح بھاگ جائے گا۔ اس لیے بہتر یہی ہے کہ وہ پارک میں جا کر تسلی سے یہ ہڈی کھا لے۔ جیکی نے ہڈی کو اپنے جبڑے میں دبایا اور ماڈل ٹاؤن پارک کی طرف چل پڑا۔ پارک کے اندر مکمل خاموشی تھی۔ چوں کہ موسم بہت گرم تھا' اس لیے جیکی خود کو اس پارک میں محفوظ سمجھ رہا تھا۔ جیکی پارک میں بنے تالاب کے پُل کے اوپر سے گزر رہا تھا کہ اچانک اُس کی نظر پانی پر پڑی۔ جیکی نے آگے بڑھ کر تالاب میں جُھک کر دیکھا تو اُسے پانی میں اپنے جیسا صحت مند کتا نظر آیا جو بالکل اُس جیسا تھا۔ مزے کی بات کہ وہ کتا بھی جیکی کی طرح اپنے منہ میں ہڈی دبائے اُس کی طرف غور سے دیکھ رہا تھا۔ جیکی کے دل میں خیال آیا کہ وہ اس کتے کے پاس جو ہڈی ہے وہ بھی چھین لے۔ تاکہ وہ جی بھر کر اپنی بھوک مٹا سکے۔ لالچ نے جیکی پر مکمل اثر کر دیا تھا۔ لالچ بھرا خیال آتے ہی وہ زور سے بُھونکنے لگا مگر جیکی نے بُھونکنے کے لیے جیسے ہی منہ کھولا' اُس کے جبڑے میں دبی ہڈی ''دھم'' سے تالاب کے پانی میں گر پڑی۔ پانی میں ہڈی گرتے ہی گہرائی میں چلی گئی۔ جیکی اس صورتِ حال سے سخت پریشان ہوا اور زور زور سے بھونکنے لگا۔ جیکی اپنے احمق پن کی وجہ سے ایک بڑی ہڈی کو کھانے سے محروم رہ گیا۔ جیکی مسلسل بھونک رہا تھا۔ پارک میں تالاب کے کنارے درخت پر کوئل رہتی تھی۔ وہ اپنے گھونسلے میں بیٹھی جیکی کی لالچ

اور احمق پن کو دیکھ رہی تھی۔ جب جیکی بھونک کر تھک گیا تو کوئل درخت سے اُڑی اور تالاب پر بنے پُل پر بیٹھ گئی اور جیکی کو کہا: ''ارے احمق کتے! تم نے اپنی لالچ کی وجہ سے منہ میں آئی ہڈی بھی کھودی۔ تم جس کو دوسرا کتا سمجھ رہے تھے' وہ دراصل تمہارا اپنا ہی عکس تھا۔ جو تالاب کے پانی میں تمہیں نظر آرہا تھا۔'' یاد رکھو لالچ بہت بُری بلا ہے۔

اچھے بچو!

اللہ تعالیٰ نے آپ کو جو دیا ہے' اُس پر شکر ادا کرتے رہا کریں۔ کبھی لالچ مت کریں ورنہ اس کی سزا ضرور ملتی ہے۔

✪ ✪ ✪

چوری کی سزا

ننھا جادوگر صرف نام کا ''ننھا'' تھا۔ حالانکہ اس کا قد کم از کم چھ فٹ سے زیادہ تھا مگر بچپن میں سب اس کو ننھا کہتے تھے، جس کی وجہ سے اب جوان ہونے پر بھی اس کو ننھا ہی کہتے تھے۔ ننھے کو جادوگری کا بہت شوق تھا۔ ہاتھ میں پکڑا رومال غائب کر کے دوبارہ سب کو لا کر دکھانا، خالی ڈبے میں سے کبوتر نکالنا، اپنی پتلون کی جیب میں گیند ڈالنا اور کسی دوسرے کی جیب سے نکال کر دکھا کر سب کو حیران کر دیتا تھا۔ ننھا جادوگر عام جادوگروں جیسا ہرگز نہیں تھا۔ اکثر جادوگر اپنے جادو کے ذریعے لوگوں کو تنگ کرتے تھے۔ مگر ننھا جادوگر اپنے جادو کے ذریعے لوگوں کو خوش کرتا تھا اور کسی کو کبھی کوئی دکھ نہیں دیتا تھا۔ ننھا جادوگر اپنے گھر میں بالکل اکیلا رہتا تھا۔ اس کے گھر والوں کا کسی کو کچھ پتہ نہیں تھا۔ مگر اس کے حسن سلوک اور برتاؤ سے سب اسے اپنا دوست اور خیر خواہ سمجھتے تھے۔ ننھا جادوگر اپنے جادو کی بدولت کسی کو تنگ نہیں کرتا تھا۔ اس کا چمکتا اور دُھلا ہوا لباس اس کی شخصیت کو مزید نکھار دیتا تھا۔ اس کا گھر بھی نہایت صاف ستھرا اور کافی بڑا تھا۔ سب لوگ یہی سمجھتے تھے کہ ننھا جادوگر اپنے جادو کے زور سے گھر کے تمام کام کر لیتا ہے۔ مگر ایسا ہرگز نہیں تھا۔ بلکہ وہ صبح نماز پڑھ کر اپنے گھر کے تمام کام کرنے

لگ جاتا تھا۔ گھر کے ہر کمرے کی خوب اچھی طرح صفائی کرتا اور سیڑھیوں پر رکھے پودوں کے گملوں میں پانی ڈالتا تھا۔ ننھے جادوگر کو کتابیں پڑھنے کا بہت شوق تھا۔ اس کے کمرے میں دنیا بھر کی تمام مشہور کتابیں موجود تھیں، جن کو وہ پڑھتا رہتا تھا۔ ننھا جادوگر بہت خوش مزاج اور نیک انسان تھا۔ ہر کسی کو بہت جلد اپنا دوست بنانے کا فن تو اس کو خوب آتا تھا۔ محلے کے تمام لوگ اس کی خوش مزاجی اور خوش اخلاقی کی بہت تعریف کرتے تھے۔ اس نے ابھی شادی نہیں کی تھی۔ اس لیے کھانا خود پکاتا اور کپڑے خود دھوتا تھا۔ ننھا جادوگر فرصت کے لمحات میں اپنے جادو کے تجربے کرتا رہتا تھا۔ اس کے پاس ایک عجیب و غریب جادو کی سوئی تھی۔ یہ سوئی اس کو اپنے استاد سے ملی تھی۔ جس نے اس کو جادو سکھایا تھا۔ یہ طلسمی سوئی بہت کام کی تھی۔ ننھا جادوگر اس سے اپنے کپڑے سلواتا اور گھر کا سلائی والا کام کرواتا تھا۔ اس نے جب کوئی چیز سلوانی ہوتی تو وہ سُوئی پر کچھ پڑھ کر پھونک مارتا اور کہتا: ''اے اچھی سوئی! تم میری قمیص سی دو، پتلون سی دو۔'' پھر کیا ہوتا کہ سوئی حکم ملتے ہی پل بھر میں قمیص سی دیتی تھی۔ جب وہ کہتا اے اچھی سوئی میرا کوٹ سی دو تو وہ چند منٹوں میں کوٹ سی دیتی تھی۔ غرض کہ ننھا جادوگر سلائی کا ہر کام اس سوئی سے کرواتا تھا۔ یوں اس کو جو مزدوری ملتی، وہ اپنے استعمال میں لے آتا۔''

ایک دن نماز جمعہ پڑھنے کی تیاری کر رہا تھا۔ اُسے اپنی ٹوپی نہیں مل رہی تھی۔ اُس نے بہت ڈھونڈی مگر ٹوپی نہ ملی۔ ننھے جادوگر نے کپڑا لیا اور سوئی کو حکم دیا: ''اے اچھی سوئی میری ٹوپی سی دو'' سوئی نے فوراً رومال کی ٹوپی سی دی۔ ننھا جادوگر بہت خوش ہوا اور نماز جمعہ پڑھنے

چلا گیا۔ یہ سوئی بہت کارآمد چیز تھی۔ اس میں ایک دھاگہ ہر وقت موجود ہوتا تھا۔ صرف سلائی کے لیے کپڑا دینا پڑتا تھا۔ مزے کی بات سوئی کے ناکے میں جو دھاگہ موجود تھا' اس کا رنگ سفید تھا مگر جب وہ سلائی کرتا تو کپڑے جیسا رنگ بن جاتا تھا۔ سب محلے داروں کو اس سوئی کے کمال کا بخوبی پتہ تھا۔ اُن کو جب کوئی ضروری سلائی جلدی کروانی ہوتی تو وہ ننھے جادوگر کو کہہ دیتے۔ جس کے بعد ننھا جادوگر اپنی سوئی کو حکم دیتا تو وہ پل بھر میں سلائی کر کے رکھ دیتی۔ سب محلے دار ننھے جادوگر کی عزت کرتے تھے۔ مگر آج تک کسی نے یہ سوئی اُدھار نہیں مانگی تھی۔ لوگوں کا خیال تھا کہ کہیں سوئی مانگنے پر ننھا جادوگر ناراض نہ ہو جائے۔ مگر ننھا جادوگر دل کا بہت اچھا تھا۔ اُس نے کبھی کسی کا دل نہیں دُکھایا تھا' وہ خود کسی سے کوئی چیز نہیں مانگتا تھا۔ بلکہ اپنی ضرورت کے تمام کام خود کرتا تھا۔ بازار سے ضروری سامان خود خرید کر لاتا تھا۔ اس نے کبھی کسی کو کوئی دُکھ نہیں دیا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ لوگ خصوصاً بچے اس سے بہت پیار کرتے تھے۔ ننھا جادوگر بھی ان بچوں سے بہت محبت کرتا تھا۔ بچوں کو نماز پڑھنے اور اسکول جانے کی تاکید کرتا تھا۔ جب بچے اس کے پاس آتے تو وہ مزے مزے کی اچھی کہانیاں سناتا تھا۔ جن میں ماں باپ کا کہنا ماننا' بڑوں کا ادب، چھوٹوں سے پیار کرنا، ہر کام وقت پر کرنا، پرندوں اور پودوں کا خیال رکھنا، خوب جی لگا کر پڑھنا اور اپنے گھر کی طرح محلے کو صاف ستھرا رکھنے کا درس ہوتا تھا۔ بچے ان کہانیوں کو سُن کر اچھی اچھی باتیں سیکھتے تھے۔ اگر کوئی بچہ اُس سے کوئی سوال پوچھتا تو وہ ہنسی خوشی اس کا جواب دیتا تھا۔ کبھی اُس نے کسی بچے کا دل نہیں دُکھایا تھا۔

ایک دن ایک بچے وکی نے ننھے جادوگر سے پوچھا: ''انکل جی! میں آپ سے یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ زندگی میں کامیابی کیسے حاصل کی جاسکتی ہے؟'' ننھے جادوگر نے بچے کو چاکلیٹ پکڑاتے ہوئے کہا: ''بیٹا، وقت کی خوب قدر کرو، کبھی فارغ مت بیٹھو، ہر کام وقت پر کیا کرو، امی اور ابو کا کہنا مانو، وقت پر اسکول جاؤ اور تمام کام خوب دل لگا کر کرو، جھوٹ مت بولو، علم کے ساتھ کوئی ہنر بھی سیکھ لو، اپنی صحت کا خاص خیال رکھو، صبح جلدی اُٹھو اور رات کو جلدی سو جاؤ، کسی کی غیر موجودگی میں اُس کے خلاف کچھ نہ کہو، سب کے ساتھ بہتر برتاؤ کرو، بزرگوں کا احترام کرو، ان باتوں پر عمل کرنے سے تم بہت کامیاب انسان بن جاؤ گے۔'' بچے کے چھوٹے بھائی نے پوچھا: ''انکل! کیا آپ خود بھی ان باتوں پر عمل کرتے ہیں؟'' ننھے جادوگر نے مسکرا کر جواب دیا: ''میں خود لازمی عمل کرتا ہوں۔ میں کسی کو جو نصیحت کرتا ہوں اُس پر خود بھی عمل کرتا ہوں۔ تم لوگ خود دیکھ لو میری عمر ستر سال سے زیادہ ہے مگر تمام چھوٹے بڑے مجھے اپنا دوست سمجھتے ہیں۔ میں کئی سال سے یہاں رہ رہا ہوں۔ یہاں میرا کوئی سگا رشتے دار نہیں ہے مگر سب لوگ مجھے اپنے لگتے ہیں۔ سب میرا بہت خیال رکھتے ہیں۔ کسی کو مجھ سے کوئی شکایت نہیں ہے۔ میری صحت بالکل جوانوں جیسی ہے۔ میں نے آج تک کسی کا دل نہیں دکھایا ہے۔ میں نے کبھی وقت ضائع نہیں کیا ہے۔'' بچہ ننھے جادوگر کا جواب سن کر خوش ہوگیا۔ ایک اور بچے تابی نے پوچھا: ''انکل! آپ کے پاس جو جادو کی سوئی ہے وہ آپ کو کہاں سے ملی تھی؟ یہ سوئی آپ کے پاس کب سے ہے؟'' ننھے جادوگر نے ہلکا سا قہقہہ لگایا اور بولا:

"اچھے بچو! یہ سوئی میرے استاد نے مجھے دی تھی۔ میں اپنے اُستاد کا بہت احترام کرتا تھا۔ میرا اُستاد مجھ سے بہت خوش تھا۔اُس نے مرتے وقت اپنا گھر اور یہ طلسماتی سوئی مجھے دے دی تھی۔" اچھا تو لوگ آپ کو جادوگر کیوں کہتے ہیں؟ مدثر بھالو نے سوال پوچھا: "ارے بچے، میرے دوست! لوگ مجھے صرف جادوگر نہیں بلکہ ننھا جادوگر کہتے ہیں۔ میں لوگوں کو چھوٹے موٹے دلچسپ جادو کے کھیل دکھاتا رہتا ہوں تو وہ مجھے پیار سے ننھا جادوگر کہتے ہیں۔ میں بچپن میں بہت چھوٹے کا قد کا ہوتا تھا۔اُس وقت میں بہت شرارتی ہوتا تھا۔میرے استاد نے مجھے کہا کہ میں اچھا بچہ بن جاؤں تو میرا قد بڑھے گا اور سب مجھ سے پیار کریں گے۔ میں نے اُس دن وعدہ کیا اور اپنی عادتیں اچھی کرلیں۔تم خود دیکھ لو میرا قد چھ فٹ سے زیادہ بڑھ چکا ہے۔" عائشہ نے پوچھا: "انکل کیا یہ جادو کے کرتب ہر کوئی سیکھ سکتا ہے؟" ننھے جادوگر نے کہا: "جی بیٹی، بالکل سیکھ سکتا ہے مگر سب سے پہلے انسان کو علم اور ہنر سیکھنا چاہیے، کیوں کہ علم اور ہنر کے بغیر انسان کی کوئی قدر نہیں ہے۔ یہ جادو تو صرف دل بہلانے کا ذریعہ ہے۔"

آمنہ نے کہا: "انکل! کیا اس جادو یا کرتب کی وجہ سے آپ سیب لا سکتے ہو؟ مجھے بہت بھوک لگی ہے۔" طیبہ نے کہا: "ارے کیا بات ہوئی ؟اگر مجھے جادو آجائے تو میں سیبوں کے باغ لگادوں۔ ہر طرف سیب اور آم کے باغ نظر آئیں گے۔" ننھے جادوگر نے کہا: "ارے بچو! یہ سب فضول اور دماغ خراب کرنے والی باتیں ہیں۔" "تو کیا جو آپ کے پاس سوئی ہے وہ فضول نہیں ہے؟" مشعل نے جادوگر سے کہا: "جادوگر نے کہا 'بیٹی جی یہ سوئی

میرے استاد نے مجھے دی تھی۔ جو اس کے اُستاد نے اُسے دی تھی۔ اور اُن کے اُستاد نے اُنہیں دی تھی۔ یہ سوئی کئی سالوں سے استاد اپنے سب سے اچھے شاگرد کو دیتے آرہے ہیں۔ معلوم نہیں سب سے پہلے کس نے کس کو دی تھی۔ یہ استاد کا احترام کرنے کا انعام ہوتا ہے۔ تم بھی اپنے استاد کا احترام کیا کرو۔

ننھا جادوگر جس محلے میں رہتا تھا' وہاں ایک شرارتی بچہ ٹیپو بھی رہتا تھا' جو بہت شرارتی تھا۔ نام تو اس کا سلطان تھا مگر اس کے گھر والے اُسے ٹیپو کہتے تھے۔ ٹیپو شرارتی ہونے کے باوجود پڑھائی کا شوقین تھا۔ سکول کا کام وقت پر کرتا تھا اور وقت پر سکول جاتا تھا۔ بس شرارتیں کرتا رہتا تھا۔ کھیل کود تو اس کی جان تھی۔ سکول کا کام کر کے بس شرارتیں کرتا اور کھیلتا رہتا تھا۔ ٹیپو کو پتہ تھا کہ ننھے جادوگر کے پاس ایک ایسی سوئی ہے جو سلائی کا کام خود بخود کر دیتی ہے۔ اُس نے کئی بار سوچا کہ وہ ننھے جادوگر سے یہ سوئی اُدھار مانگ کر خود اس کا تجربہ کرے۔ مگر وہ اُدھار نہ مانگ سکا۔ ایک دن ٹیپو نے سوچا کہ وہ آج سوئی مانگے گا تو وہ ننھے جادوگر کے گھر چلا گیا۔ دوازہ کھٹکھٹایا اور جادوگر کے آنے پر اُسے بتایا کا وہ آج تھوڑا کپڑا ساتھ لایا ہے۔ جادوگر اُسے سوئی اُدھار دے تاکہ وہ اس کپڑے سے تھیلے سی لے۔ جادوگر نے پوچھا ٹیپو بیٹا تم نے ان تھیلوں میں کیا ڈالنا ہے؟ ٹیپو نے کہا، انکل میں ان تھیلوں میں خشک چنے، مونگ پھلی اور چپس ڈال کر رکھوں گا، ننھے جادوگر نے ٹیپو کی بات سُنی تو بولا میں تم کو سوئی ضرور دیتا مگر تم بہت شرارتی بچے ہو۔ تم ضرور اس سے کسی کو دُکھ دو گے۔ اس لیے میں تم کو سوئی نہیں

دے سکتا۔ اب تم اپنے گھر جا سکتے ہو۔ بیٹا میرا ایک اصول ہے کہ میں کسی کو دُکھ نہیں پہنچا سکتا اس لیے میں معذرت چاہتا ہوں کہ تم کو طلسماتی سوئی نہیں دے سکتا۔

ٹیپو بہت مایوس ہوا اور اپنے گھر کی طرف چل پڑا۔ منہ لٹکائے جب وہ گھر پہنچا تو اُس کی امی نے اُداس ہونے کی وجہ پوچھی تو اس نے ساری بات اُنھیں بتادی۔ اُنہوں نے کہا: ”ننھے جادوگر نے بہت اچھا کیا ہے۔ تم جب تک اپنی شرارتوں سے باز نہیں آؤ گے تب تک تمہارے ساتھ یہی کچھ ہوگا۔ ٹیپو نے آنکھوں میں آنسو لاتے ہوئے کہا ’امی جان‘ میں شرارتیں کروں یا نہ کروں، اس سے ننھے جادوگر کو کیا غرض؟ میں پڑھوں یا نہ پڑھوں، اس کو کیا پریشانی؟ اُس کی امی نے اُسے ایسی باتیں کرنے سے منع کیا تو وہ منہ پھلائے کمرے میں چلا گیا۔ اور بستر پر لیٹ کر آنسو بہانے لگا مگر ایک دم اُس کی آنکھیں چمک اُٹھیں۔ اُس نے سوچا میں اب وہ سوئی چُرا کر لاؤں گا۔ اگلے دن ٹیپو دوپہر کے وقت ننھے جادوگر کے گھر کی طرف چل پڑا۔ اس نے کھڑکی سے اندر دیکھا کہ ننھا جادوگر اپنے کمرے میں گہری نیند سویا ہوا ہے۔ سوئی کہاں ہوگی؟ یہ ٹیپو کو بخوبی پتہ تھا۔ اس لیے ٹیپو نے آرام سے گھر کا دروازہ کھولا اور آہستہ آہستہ قدم اُٹھائے سوئی والے کمرے میں گیا اور الماری سے سوئی نکالی۔ جیب میں رکھ کر اُلٹے پاؤں واپس چل پڑا۔ اس نے جادوگر کی طرف دیکھا تو خوب گہری نیند سویا ہوا تھا۔ ٹیپو فوراً گھر سے باہر آیا اور اپنے گھر کی طرف دوڑنے لگا۔ جب وہ اپنے گھر پہنچا تو اس کا سانس پھولا ہوا تھا۔ سب گھر والے شدید گرمی سے تنگ آ کر اے سی والے کمرے میں سوئے ہوئے

تھے۔ ٹیپو اپنے کمرے میں گیا اور جیب سے سوئی نکال کر خوش ہونے لگا۔ اگلے دن اسکول میں چھٹی تھی۔ اس لیے اگلے دن ٹیپو چھت سے پرانا کمبل اُتار کر نیچے لایا اور کاٹ کر کئی ٹکڑے بنا لیے۔ پھر اُس نے سوئی کو جیب سے نکالا اور اُسے حکم دیا: ''اے اچھی سوئی! میرا کمبل سی کر مجھے تھیلے بنا دو۔'' حکم ملتے ہی سوئی نے اپنا کام شروع کر دیا۔ چند لمحوں میں سوئی نے کمبل کے تمام ٹکڑے سی کر تھیلے بنا دیے۔ ٹیپو ان تھیلوں کو دیکھ دیکھ کر خوش ہو رہا تھا۔ ابھی ٹیپو خوش ہو رہا تھا کہ سوئی اُڑ کر کھڑکی کے پاس چلی گئی اور فٹافٹ کھڑکی کے تمام پردے، کھینچ کر زمین پر لے آئی اور اُنہیں سینے لگ گئی۔ ٹیپو نے چونک کر دیکھا تو کھڑکی کے تمام پردے کئی تھیلوں میں تقسیم ہو چکے تھے ابھی وہ حیران ہو کر سارا معاملہ دیکھ رہا تھا کہ سوئی نے صوفے پر بچھے کپڑے کو کھینچا اور اُس کے بھی تھیلے سینے شروع کر دیئے۔ چند منٹوں میں سوئی نے صوفے کے کور کے کئی تھیلے سی دیئے۔ ٹیپو سوئی کی طرف دوڑا اور اسے پکڑنے کی کوشش کرنے لگا مگر سوئی کہا قابو آنے والی تھی؟ وہ تیزی سے اُس کے ہاتھوں سے نکلی اور زمین پر بچھے قالین کی طرف اُڑنے لگی۔ ٹیپو نے سوئی کا ارادہ بھانپ لیا اور سوئی کو پکڑنے لگا مگر سوئی اُس کے ہاتھ میں چُبھ گئی۔ ٹیپو کے منہ سے چیخ نکلی اور سوئی دوبارہ قالین کی طرف اُڑ گئی۔ ٹیپو کو سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ وہ کیا کرے؟ وہ زور زور سے رونے لگا۔ اُس کی چیخوں اور شور سے سب گھر والے جاگ گئے اور ٹیپو کے کمرے کی طرف دوڑے۔ اُنہوں نے کمرے کا حشر دیکھا تو حیران رہ گئے۔ جہاں ٹیپو سوئی کے پیچھے اُس کو پکڑنے کے لیے دوڑ رہا تھا مگر سوئی قابو نہیں آ رہی تھی۔ سوئی جس کپڑے کی

طرف جاتی اُسے ٹکڑوں میں سی کر تھیلے بنانے لگ جاتی۔ ٹیپو کبھی میز سے ٹکراتا تو کبھی صوفے سے اور کبھی پلنگ سے ٹکرا کر گر جاتا۔ وہ پاگلوں کی طرح سوئی کے پیچھے دوڑ رہا تھا۔ سب گھر والے یہ سب کچھ دیکھ رہے تھے۔ اب ٹیپو نے پلاس پکڑ کر سوئی کو قابو کرنے کی کوشش کی تو وہ پھسل کر پلنگ پر گر گیا۔ سوئی پلنگ کی چادر کی طرف آئی اور جھٹ سے چادر کو یوں سی دیا جیسے کوئی بڑا تھیلا ہو۔ غضب یہ ہوا کہ ٹیپو پلنگ پر گرا ہوا تھا اور چادر کے بنے تھیلے میں مسل گیا تھا۔ وہ تھیلے میں بند بُری طرح چیخ رہا تھا۔ ''ننھے جادوگر کو بلاؤ، میں نے اُس کی سوئی چرائی تھی، مجھے تھیلے سمیت اُس کے گھر لے جاؤ ورنہ میرا دم گھٹ جائے گا۔'' سب گھر والے ننھے جادوگھر کی طرف دوڑے جو قریب ہی تھا۔ جادوگر اُن کو راستے میں مل گیا۔ اُس نے جب ساری بات سنی تو مسکرا کر بولا: ''ارے اچھی سوئی، بہت ہوگئی، اب تم رُک جاؤ۔'' سوئی حکم ملتے ہی فوراً رُک گئی۔ جادوگر نے قینچی سے تھیلا کاٹ کر ٹیپو کو باہر نکالا۔ ٹیپو نے ننھے جادوگر سے معافی مانگی اور اُس کا شکریہ ادا کیا جو وہ اُس کی مدد کے لیے فوراً آ گیا۔ ننھے جادوگر نے نقلی غصہ کرتے ہوئے ٹیپو سے کہا، اب صرف شکریہ ادا کرنے اور معافی مانگنے سے بات نہیں بنے گی۔ تم نے چوری کی ہے۔ اس لیے اس جرم کی سزا میں تم کو ایک ماہ تک روزانہ میرے گھر کی صفائی کرنا ہوگی اور میرے پودوں کو پانی دینا ہوگا۔ ورنہ میں تم کو دوبارہ تھیلے میں بند کرادوں گا۔ ٹیپو نے فوراً شرط مان لی اور ایک مہینے تک ننھے جادوگر کے گھر کی صفائی کی اور پودوں کو پانی دیا۔ وہ روزانہ سکول سے واپس آکر ننھے جادوگر کے گھر چلا جاتا تھا۔ آخری دن ٹیپو نے ننھے جادوگر

سے پوچھا: ''انکل آپ ایک بات تو بتائیں آپ کی سوئی میرے حکم پر رُکی کیوں نہیں تھی؟''
ننھے جادوگر نے مسکرا کر اُسے پیار کیا اور بولا: جب تم سوئی چرانے میرے گھر آئے تھے تو میں اُس وقت جاگ رہا تھا۔ میں نے تم کو دیکھ کر جان بوجھ کر آنکھیں بند کی ہوئی تھیں۔ میں نے سوئی کو حکم دیا تھا کہ وہ تمہارے گھر جا کر حکم ملتے ہی ہرگز نہ رُکے۔ اب سمجھے تم کہ تمہارے ساتھ کیا ہوا تھا؟ اب آئندہ کبھی چوری مت کرنا اور شرارتوں سے بھی توبہ کرلو۔ اچھے بچے بن جاؤ ورنہ اس سے بڑی سزا ملے گی۔'' ٹیپو نے وعدہ کیا کہ وہ آئندہ ایسی حرکت دوبارہ نہیں کرے گا اور اچھا بچہ بن جائے گا۔ جادوگر نے اُسے شاباش دی اور ٹیپو اپنے گھر چلا گیا۔

اچھے بچو!

چوری کرنا بہت بُری عادت ہے۔ جس کی بہت بڑی سزا ملتی ہے۔ شرارتیں بھی نہیں کرنی چاہئیں۔

✪ ✪ ✪

طاقت ور کون؟

پہاڑوں سے دور جنگل میں دو بکریاں اور ایک بکرا رہتے تھے۔ یہ تینوں آپس میں بہن بھائی تھے۔ بکرے کا نام میما تھا۔ بہت نوکیلے سینگوں کی وجہ سے جنگل کے خطرناک جانور اس سے دور بھاگتے تھے۔ میما بہت دلیر اور جاندار بکرا تھا۔ اس سے چھوٹی بکری کا نام میمی تھا۔ جو بہت چالاک اور باتونی تھی۔ سب سے چھوٹی بکری کا نام میمو تھا۔ میمو بہت معصوم اور شریف بکری تھی۔ ہر وقت گھاس چرنے کی بجائے وہ کھیلتی رہتی یا جنگل کے جانوروں کے بچوں کے ساتھ اٹکھیلیاں کرتی رہتی تھی۔ یہ تینوں بہن بھائی آپس میں بہت پیار سے رہتے تھے۔ اگر کوئی خطرناک جانور ان کو نقصان دینے کے لیے آتا تو یہ تینوں مل کر اُس کا خوب مقابلہ کرتے تھے۔ میما اپنی بہنوں کا بہت خیال رکھتا تھا۔ ویسے بھی وہ اُن سے بڑا تھا۔ میما جہاں کہیں تازہ اور ہری بھری گھاس دیکھتا تو فوراً اپنی بہنوں کو وہاں لے جاتا اور وہ تینوں خوب مزے سے گھاس چرتے تھے۔

ایک دن میما، میمو اور میمی جنگل سے باہر نکل کر گھاس چر رہے تھے کہ میما نے پہاڑوں پر اُگی مزے دار گھاس دیکھی تو خوشی سے جھوم اُٹھا۔ میمی اور میمو نے اپنے بھائی کی خوشی دیکھی

تو وہ بھی پہاڑ کی طرف دیکھنے لگیں۔ جہاں اُگی گھاس اُن کو بھی نظر آ گئی تھی۔ ان پہاڑوں پر کوئی جانور نہیں جاتا تھا۔ کیونکہ وہاں جانے کے راستے میں ایک دریا بہتا تھا۔ جس پر لکڑی کا پل بنا ہوا تھا۔ اس پل کے نیچے ایک خوف ناک اور ظالم دیو رہتا تھا۔ یہ دیو بہت ظالم اور غصے والا تھا۔ اگر کوئی اس پل کو پار کرنے کی کوشش کرتا تو دیو اُس کو مار دیتا تھا۔ کئی جانور ہری بھری گھاس دیکھ کر پہاڑ پر جانے کے لیے نکلے تھے مگر دریا کا پل پار کرتے ہوئے دیو کی خوراک بن گئے۔ میمو، میما، اور میمی کو اس دیو کے ظلم کا پتہ نہیں تھا۔ اس لیے وہ تینوں پہاڑ کی طرف چل پڑے۔ جب یہ دریا کا پل پار کرنے کے لیے گزرنے لگے تو دریا کا تیز پانی دیکھ کر پیچھے ہٹ گئے۔ میمو نے اُن کو کہا کہ میں سب سے چھوٹی اور ہلکی ہوں۔ اس لیے میں دریا کا پل پار کرتی ہوں۔ میں جب پار چلی جاؤں تو آپ بھی باری باری میرے پاس آ جانا۔ میما نے میمو کی معصومیت کو دیکھ کر اُسے خوب پیار کیا اور بولا تم ہماری جان ہو۔ ہم تم کو گنوانا نہیں چاہتے۔ میمو نے ہنس کر کہا: ''بھائی جان! آپ ایسے ہی گھبرا گئے' آپ تو بہت ہمت والے ہیں۔''

میما نے میمو کو دریا کا پل پار کرنے کی اجازت دے دی تو میمو آہستہ آہستہ پل پر سے گزری تو پل کے نیچے سوئے ہوئے دیو نے چلنے کی آواز سنی تو غصہ میں آ گیا کہ کس کی جرأت ہوئی کہ میری نیند کو خراب کرے۔ میں اُس کو کچا چبا جاؤں گا۔ غصے سے آگ بگولا دیو پل کے نیچے سے اُٹھا اور پل پر آ کر میمو کو روک کر بولا تم یہاں کیوں آئی ہو؟ میں تم کو کھا جاؤں گا۔ میمو نے جب خطرناک دیو کو دیکھا تو گھبرا گئی۔ اس سے پہلے کہ وہ واپس بھاگتی یا دریا میں

چھلانگ لگا لیتی، اُس نے دیو سے کہا: ''آپ مجھے معاف کر دیں، مجھے پتہ نہیں تھا کہ آپ پل کے نیچے آرام کر رہے ہیں۔ میں نے پہاڑوں پر اُگی ہری بھری تازہ گھاس دیکھی تو میں نے ضِد کی اور گھاس چرنے کے لیے یہاں سے گزرنے لگی تھی کہ آپ نے مجھے روک دیا۔ میں بہت چھوٹی سی ہوں۔'' دیو نے اپنے نوکیلے دانت باہر نکالتے ہوئے زوردار قہقہہ لگایا اور بولا: ''میں تم کو اس گستاخی کی ضرور سزا دوں گا۔ میں تم کو کچا کھا جاؤں۔ تمہارا تازہ گوشت اور نرم ہڈیاں کھا کے مجھے بہت مزہ آئے گا۔ اب تم بھاگنے کی کوشش مت کرنا۔ ورنہ میں تم کو پکڑ کر پھر بھی کھالوں گا۔''

میمو منمنائی اور بولی: ''دیو جی! آپ مجھے کھائیں گے تو آپ کی بھوک ختم نہیں ہوگی۔ آپ کی بھوک زیادہ چمکے گی، اس لیے آپ میری بڑی بہن اور بھائی کو بھی کھالینا۔ وہ دونوں بہت صحت مند ہیں اس طرح آپ کی بھوک بھی مٹ جائے گی۔'' دیو نے میمو کی بات سنی تو بہت خوش ہوا کہ میں اس چھوٹی بکری کو کھا کر کیا کروں گا؟ چلو اس کی بہن اور بھائی کو آنے دو تا کہ میں ان تینوں کو کھالوں۔ اتنی دیر میں میمی بھی پل پر آ گئی۔ دیو نے اُس کو بھی آگے جانے سے روک لیا اور بولا تمہارا بھائی کہاں ہے؟ میں نے سنا ہے وہ بہت موٹا تازہ ہے، اگر وہ بھی آجائے تو میں تم تینوں کو منٹوں میں چٹ کر جاؤں گا۔ میمی نے اپنا خوف چھپاتے ہوئے کہا: ''دیو جی! آپ فکر نہ کریں۔ میما بھائی کچھ دیر میں یہاں آجائے گا، ہم تو پہاڑ پر گھاس چرنے جا رہے تھے مگر اب آپ ہمیں کھانا چاہتے ہو تو آپ کی مرضی ہے۔ آپ میما بھائی کو آنے

دیں۔ وہ آتا ہی ہوگا' آپ تھوڑا اور انتظار کرلیں۔'' دیو نے سوچا جہاں اتنا انتظار کیا ہے' تھوڑی دیر اور انتظار کرلوں تو بہتر ہے۔ ذرا تینوں اکٹھے ہوجائیں پھر میں خوب مزے سے ان کو ہڑپ کروں گا۔ مجھے موٹے بکرے کا انتظار کرلینا ہی چاہیے۔ آخرکار میما بھی پُل پر آ گیا اور اپنی بہنوں کو گھبرائے ہوئے دیکھ کر دیو کی چال سمجھ گیا۔ میما نے اپنے نوکیلے سینگوں کو دیو کی طرف کرلیا۔ میما بہت طاقت ور اور دیو کی جسامت جتنا بڑا تھا۔ میما نے گرج دار آواز سے دیو کو مقابلے کے لیے للکارا۔ دیو نے میما کی گرج دار آواز سنی تو غصے میں آ گیا اور بولا تم خود کو کیا سمجھتے ہو؟ تم میری ایک خوراک ہو یہ نہ سمجھو کو تم میرے جتنے ہو میں تم کو کھا نہیں سکتا۔ یہ تمہاری بھول ہے۔ میما نے دیو کی باتیں سن کر اپنے سینگ اُس کی طرف سیدھے کیے اور اپنی پوری طاقت سے دیو کی طرف بڑھا۔ میما نے ایک بار پھر دیو کو للکارا۔ ظالم دیو! تم نے بلاوجہ اس پل پر قبضہ کرر کھا ہے۔ میں خود تم کو ختم کرنا چاہتا ہوں۔ اب تو تم زندہ رہو گے یا میں زندہ رہوں گا۔'' دیو نے میما کی باتیں سُنیں تو غصے میں آ گیا اور غصے سے لال پیلا ہو کر میما کی طرف چھلانگ لگائی مگر میما بہت پھرتیلا اور طاقت ور جنگلی بکرا تھا۔ وہ فوراً ہی ایک طرف ہٹ گیا اور اپنے نوکیلے سینگوں پر دیو کو اُٹھالیا۔ دیو کی نیکر میما کے سینگوں میں پھنس چکی تھی۔ میما نے دیو کو ہوا میں اُچھال کر زمین پر زور سے مارا اور اگلے ہی لمحے اپنی پوری طاقت سے ٹکر مار کر اُسے دریا میں پھینک دیا۔ اب دیو دریا میں گر گیا اور وہ شرمندہ سا ہو کر ایک طرف دوڑنے لگا۔

میمو' میمی' میما نے دیو کو بھاگتے دیکھا تو خوشی سے منمنانے لگ گئے۔ میمو تو خوشی سے

خوب اُچھل رہی تھی۔ دونوں بہنوں نے اپنے بھائی کو خوب داد دی۔ اب پہاڑ پر جانے کے لیے راستہ صاف تھا اور دیو پھر کبھی اس علاقے میں نظر نہیں آیا۔ یہ تینوں بہن بھائی جب دل چاہتا تو پہاڑوں پر تازہ گھاس کھانے چلے جاتے۔ اب جنگل کے دوسرے جانور بھی تازہ گھاس کھانے کے لیے پہاڑوں پر چلے جاتے تھے۔ اُنھوں نے میما کو بہت دعائیں دیں۔ جس نے اپنی بہادری سے دیو سے جان چھڑا دی تھی۔

اچھے بچو!

بڑی سے بڑی رکاوٹ کو ہمت کر کے راستے سے ہٹایا جا سکتا ہے۔ اس لیے ہمیشہ ہمت اور جذبے سے اپنی منزل کی طرف چلتے رہنا چاہیے۔

✪ ✪ ✪

چالاک کچھوا

''آج کا دن بہت منحوس ہے۔صبح سے کھانے کو کچھ نہیں ملا۔لگتا ہے آج کا دن یونہی بھوکے ہی گزارنا ہوگا؟'' بھیڑیئے نے اِردگرد نظریں دوڑاتے ہوئے خود کلامی کی۔بھیڑیا صبح سویرے اُٹھ کر خوراک کی تلاش میں نکلا تھا۔وہ انتہائی عاجزی اور انکساری سے اپنی خوراک کو تلاش کر رہا تھا۔بھیڑیئے نے خرگوش کے ٹھکانے پر جا کر بھی دیکھا مگر وہ تو بھیڑیئے کے خوف سے اپنا ٹھکانہ بدل چکا تھا۔بطخ بھی پانی میں ڈری بیٹھی تھی۔بھیڑیئے نے بھوک کی شدت سے تنگ آکر ایک درخت کے نیچے بیٹھنے کا سوچا۔جہاں بیٹھ کر وہ شکار کے لیے کوئی منصوبہ بنا سکے۔بھیڑیا آج صبح سے بھوکا اور پیاسا تھا۔اگر اُس کا بس چلتا تو وہ گھاس کھانے لگ جاتا مگر بھیڑیا کبھی گھاس نہیں کھاتا ہے۔اس لیے وہ تازہ گوشت کی تلاش میں ادھر اُدھر مٹرگشت کر رہا تھا۔

آخر اُس نے درخت کی چھاؤں میں چند لمحے آرام کیا اور بھوک کی شدت برداشت نہ ہونے پر دوبارہ شکار کی تلاش کے لیے چل پڑا۔ وہ پھرتے پھراتے ندی کے کنارے پہنچ گیا۔یہ ندی جنگل کے ایک کنارے پر واقع تھی۔جس میں بے شمار آبی جانور رہتے تھے۔آبی

پرندے ندی کے پانی میں تیرتی مچھلیوں کو شکار کر کے پیٹ بھر رہے تھے۔ندی میں کچھوے، مچھلیاں، کیکڑے اور دوسرے آبی جانور کافی تعداد میں موجود تھے۔کچھ منچلے کچھوے اکثر ندی کے کنارے آکر ریت میں اٹکھیلیاں کرتے تھے۔ چند ناسمجھ کچھوے ندی کے پانی سے رینگتے ہوئے سورج کی دھوپ کا نظارہ کرنے کے لیے ندی کی خشک مٹی پر بیٹھا کرتے تھے۔بھیڑیئے نے ان ناسمجھ کچھوؤں کو دیکھا تو اُس کے منہ میں پانی بھر آیا۔اب بھیڑیا کچھوے کا شکار کرنے کے لیے منصوبہ بنانے لگا۔اُس نے فیصلہ کیا کہ وہ ان کچھووں میں سے کسی ایک کچھوے کو پکڑے اور خوب مزے سے اس کو کھا کر بھوک مٹالے۔لہٰذا وہ ندی کے کنارے رینگتے کچھوؤں کی طرف انتہائی دبے پاؤں بڑھنے لگا۔ وہ آہستہ آہستہ کچھوؤں کی طرف بڑھ رہا تھا۔بھیڑیئے نے آگے بڑھتے ہوئے اپنی سانس روک رکھی تھی کہ کہیں کوئی کچھوا اُس کی سانس کی آواز سُن کر دوڑ نہ لگادے۔حالانکہ کچھوا بچارا جتنا مرضی تیز چل لے وہ دوڑ نہیں سکتا۔مگر بھیڑیئے نے کچھوا اور خرگوش والی کہانی سن رکھی تھی، جس میں دوڑ کے مقابلے میں کچھوا جیت گیا تھا۔اس لیے بھیڑیئے کے دماغ میں یہ بات تھی کہ کچھوا خرگوش سے زیادہ تیز دوڑ سکتا ہے۔بھیڑیا دبے پاؤں، اپنا سانس روکے کچھوؤں کی طرف بڑھ رہا تھا۔بھیڑیا ابھی ایک کچھوے کے پاس پہنچنے ہی والا تھا کہ اُس کے منہ سے آہستہ سے سانس کی آواز نکل گئی۔ کچھوؤں نے ''سی، ہوں'' کی آواز سُنی اور بھیڑیئے کو اپنی طرف آتے دیکھا تو اُنھوں نے اپنے تمام ساتھیوں کو ندی میں کُودنے کا کہا۔تمام کچھوے تیزی سے رینگتے ہوئے ندی کی

طرف بڑھنے لگے۔ تمام کچھوے اپنی اپنی جان بچانے کے لیے تیزی سے ندی میں کُود گئے۔ مگر بدقسمتی سے ایک کچھوا ندی کے پانی میں کُود نہ سکا۔ بھیڑیئے نے اس کچھوے کو پانی میں کُودنے میں ناکام ہوتے دیکھا تو وہ پھُرتی سے اُس کی طرف دوڑا۔ کچھوے نے اپنی جان بچانے کے لیے دوبارہ کوشش کی مگر بھیڑیئے نے اپنے پاؤں کا پنجہ کچھوے کے اوپر رکھ دیا تھا۔ بھیڑیئے نے اپنی ساری طاقت یکجا کر کے کچھوے کے اوپر دباؤ بڑھا دیا اور اُس کا تازہ گوشت کھانے کی کوشش کی مگر کچھوے نے پھُرتی سے اپنا سر خول میں چھُپا لیا تھا۔ بھیڑیئے نے کچھوے کا گوشت کھانے کی بہت کوشش کی مگر کچھوے کا سخت خول اُس کی کوشش ناکام بنا رہا تھا۔ پھر بھیڑیئے نے کچھوے کا سخت خول توڑنے کی سر توڑ کوشش کی مگر وہ کامیاب نہ ہوسکا۔ بھیڑیا شکار ہاتھ آنے پر جتنا خوش تھا اُتنا پریشان بھی ہوگیا۔ کیوں کہ کچھوے کا سخت خول ٹوٹ نہیں رہا تھا۔ بھیڑیا خول توڑنے کے مختلف طریقے سوچنے لگا۔ مگر تھوڑی دیر بعد کچھوے نے خول سے سر باہر نکالا اور بھیڑیئے سے کہا: ''بھیڑیئے جی! آپ پریشان کیوں ہو رہے ہیں؟ میرا خول واقعی بہت سخت ہے۔ میں آپ کو پریشان ہوتے نہیں دیکھ سکتا۔ چاہے میری جان کیوں نہ چلی جائے۔'' کچھوے نے چالاکی سے کہا۔ یہ کچھوا بہت سمجھ دار اور چالاک تھا۔ اس لیے کچھوؤں نے اسے اپنی حفاظت کے لیے محافظ بنایا ہوا تھا۔ یہی وجہ تھی وہ تمام کچھوؤں کو بچاتے ہوئے خود پھنس گیا تھا۔

کچھوے نے دوبارہ بھیڑیئے سے کہا: ''آپ دیکھنے میں بہت شریف اور انتہائی

معصوم لگتے ہیں؟ مگر میں آپ کو ایک عقل کی بات بتا تا ہوں۔ یہ جو کچھوے ہوتے ہیں نا؟ ان کا خول واقعی بہت سخت ہوتا ہے۔ یہ سب دھوپ میں پھرنے کی وجہ سے ہوتا ہے۔ دھوپ کی تپش اس خول کو سخت کر دیتی ہے۔ اس کو نرم بنانے کا طریقہ صرف مجھے معلوم ہے۔ آپ اُس طریقے پر عمل کر کے مجھے کھانے کے قابل بنا سکتے ہو۔ یہ سُن کر بھیڑیئے کی بھوک ایک مرتبہ پھر چمک اُٹھی۔ اُس کے منہ میں پانی بھر آیا اور لالچ سے اُس کی رال ٹپکنے لگی۔ اُس نے بڑی عاجزی سے کچھوے سے کہا: ''کیا تم مجھے واقعی وہ طریقہ بتا سکتے ہو؟ جس سے یہ سخت خول نرم ہو جاتا ہے۔ تم مجھے وہ طریقہ ضرور بتاؤ جس سے یہ پتھر کی طرح سخت خول روئی کی طرح نرم ہو جائے گا'' ''ہاں ہاں کیوں نہیں میں اچھے دوستوں کو کام کی باتیں ضرور بتا تا ہوں۔ بس اب آپ ایک کام کریں کہ میرے اوپر سے اپنا بوجھ کم کریں اور مجھے دھکیل کر پانی میں کر دیں تم خود دیکھنا میرا خول پانی میں بھیگ کر کتنا نرم ہو جائے گا۔ پھر آپ خوب مزے لے لے کر مجھے کھا لینا۔'' بیوقوف بھیڑیا کچھوے کی چکنی چپڑی باتوں میں آ گیا اور کچھوے کو دھکیلتے ہوئے ندی کے کنارے لے گیا۔ ندی کے پانی میں تیرتے کچھوے یہ تمام ماجرا دیکھ رہے تھے۔ وہ اپنے محافظ کو بھیڑیئے کے شکنجے میں دیکھ کر پریشان تھے مگر جب اُنھوں نے بھیڑیئے کو کچھوے کو پانی میں دھکیلتے دیکھا تو اپنے محافظ کی چالاکی دیکھ کر مطمئن ہو گئے۔

بھیڑیا اپنے پنجے سے کچھوے کو دھکیل کر ندی کے کنارے لے گیا اور پھر بہت آرام سے اُسے پانی میں دھکیل دیا۔ ایک ''شڑ اپ'' کی آواز آئی اور کچھوا پانی میں چلا گیا۔ کچھوے

نے کنارے سے دُور جاتے ہوئے پانی میں ایک ڈبکی لگائی اور مزید دُور جا کر اپنی گردن پانی سے باہر نکالی اور آنکھیں مٹکا کر بھیڑیئے کی طرف دیکھا۔ بھیڑیا ندی کے کنارے کھڑا تھا۔ خول کے نرم ہونے کا اُسے اتنا یقین تھا کہ اُسے اپنے منہ میں تازہ گوشت کا ذائقہ محسوس ہو رہا تھا۔ کچھوے نے پانی میں مزید تھوڑا سا سفر کیا اور ندی کے درمیان پہنچ کر اُس نے دوبارہ پانی میں ڈبکی لگائی اور اپنا منہ پانی سے باہر نکال کر چلایا: ''بیوقوف بھیڑیئے! میں نے سُنا تھا کہ بھیڑیئے بہت چالاک ہوتے ہیں اور اس میں کوئی شک بھی نہیں ہے مگر آج پتہ چلا ان چالاک بھیڑیوں میں آپ کی طرح بیوقوف بھیڑیئے بھی ہوتے ہیں۔ جو ہاتھ آیا شکار خود گنوا لیتے ہیں''۔

بھیڑیا اپنی بیوقوفی پر بہت شرمندہ ہوا۔ وہ چالاک کچھوے کی چکنی چُپڑی باتوں میں آنے پر نادم سا ہو گیا اور اپنی بیوقوفی پر بہت پچھتایا۔ مگر اب تو ہاتھ لگا شکار اُس کی پہنچ سے بہت دور ہو چکا تھا۔

اچھے بچو!

عقل مندی ہمیشہ مکاری کو ہرا دیتی ہے۔

✪ ✪ ✪

بیوقوفی

گاؤں کے تمام لوگ اسحاق کے گھر میں اکٹھے ہوئے تھے۔ ہر کوئی حیران تھا کہ اسحاق چند دنوں سے محنت مزدوری کے لیے نہیں جا رہا مگر پھر بھی وہ خوش باش رہتا ہے۔ جب دیکھو وہ ہاتھوں میں بے شمار لفافے پکڑے نظر آتا۔ ان لفافوں میں ضروریات زندگی کے ساتھ بے حد قیمتی چیزیں ہوتی تھیں۔ سارا گاؤں اس تبدیلی پر بہت حیران تھا۔ ہر کسی کے لبوں پر یہی سوال تھا کہ اسحاق اتنی جلدی کیسے بدل گیا ہے؟ اس کے حالات تو ایسے تھے کہ دو وقت کی روٹی پکنا مشکل تھی۔

اسحاق نے جب گاؤں کے تمام لوگوں کو اپنے گھر میں دیکھا تو پریشان ہو گیا۔ گاؤں کے چند معزز افراد نے اسحاق کو کمرے میں بلایا اور پوچھا: ''بھائی اسحاق! تم بہت نیک نیت اور شریف انسان ہو۔ محنت مزدوری کر کے اپنے گھر کے اخراجات پورے کرتے ہو۔ مگر ہم نے تم میں ایک تبدیلی دیکھی ہے۔ لگتا ہے کہ تم نے محنت مزدوری کی بجائے کوئی غیر قانونی کام کرنا شروع کر دیا ہے۔ یاد رکھو اگر تم کوئی غیر قانونی کام کرتے ہوئے پکڑے گئے تو تمام گاؤں والے تم کو گاؤں سے نکال دیں گے''۔ اسحاق پہلے تو ان کی باتیں سن کر پریشان سا ہو گیا مگر اپنے حواس بحال رکھتے ہوئے بولا: ''میرے اچھے بھائیو! تم لوگوں نے یہ کیوں سوچ

لیا کہ میں کوئی غیر قانونی کام کروں گا؟ مجھے آپ لوگوں کی عزت اتنی ہی پیاری ہے جتنی مجھے خود اپنی عزت کا خیال ہے۔ میں تم لوگوں کو بالکل سچ بتاؤں گا۔ اصل میں میرے ایک ماموں تھے جو کراچی میں بالکل اکیلے رہتے تھے۔ اُنہوں نے اپنی وصیت میں لکھا تھا کہ میری ساری جائیداد اور بطخ اسحاق کو دے دی جائے۔ چونکہ میں اپنے ماموں کا لاڈلا اور اکلوتا بھانجا ہوں۔ اس لیے اُنہوں نے اپنی ساری جائیداد میرے نام کر دی ہے۔ اب تم لوگ یہ بھی پوچھو گے کہ جائیداد کے ساتھ بطخ کیوں دی؟ تو بھائیو! میرے ماموں کو اس بطخ سے بہت محبت تھی۔ کیوں کہ یہی بطخ تھی جو اُن کی ساتھی تھی۔ میں اپنے ماموں کی جائیداد کا اکلوتا وارث بن چکا ہوں۔ اس لیے اب محنت مزدوری کی بجائے اپنا کاروبار کروں گا''۔ گاؤں والے اسحاق کی معصومانہ گفتگو پر یقین کر کے واپس لوٹ گئے۔ اسحاق نے گاؤں والوں کے جاتے ہی گھر کا دروازہ اچھی طرح بند کیا اور بطخ کے پنجرے کی طرف بھاگ گیا کیوں کہ بطخ نے انڈہ دینا تھا۔ یہ کوئی عام بطخ نہیں تھی۔ بلکہ یہ بہت خاص بطخ تھی جو اسحاق کو شہر سے آتے ہوئے زخمی حالت میں ملی تھی۔ وہ اس بطخ کو اُٹھا کر گاؤں لے آیا تھا اور مرہم پٹی کرنے کے بعد اُسے پنجرے میں بند کر دیا۔ بطخ کا انڈہ دوسرے انڈوں سے بالکل مختلف تھا۔ انڈے کا رنگ تو خالص سونے جیسا تھا۔ اسحاق نے حیرت سے انڈہ پکڑا تو بے ہوش ہوتے ہوتے بچا۔ کیوں کہ بطخ نے سونے کا انڈہ دیا تھا۔ اسحاق نے اپنی بیوی کو بُلایا' سونے کے انڈے کا بتایا تو اُس کی خوشی سے چیخ نکلتے رُکی۔ اب اسحاق روزانہ بطخ کا انڈہ لفافے میں ڈال کر شہر بیچ آتا جس کی اُسے

مناسب قیمت مل جاتی تھی۔ سُنار اسحاق کی سادگی اور معصومیت کو جان چکا تھا۔ اس لیے اسحاق کو اصل قیمت سے بہت کم دیتا مگر پھر بھی اسحاق اس رقم کو بہت زیادہ سمجھ کر خاموشی سے گھر چلا آتا۔ اسحاق نے بطخ کو بہت خوب صورت پنجرے میں بند کرلیا۔ بطخ کا انڈہ اُس کی نیکی کا صلہ تھا جو اُس نے زخمی بطخ کو گھر لا کر اُس کی مرہم پٹی کر کے کی تھی۔

چند روز بعد اسحاق کی بیوی نے اُسے کہا: ''میری خواہش ہے کہ ہمیں زیادہ رقم مل جائے اور ہم گاؤں چھوڑ کر شہر چلے جائیں۔ گاؤں والے ہمیں بہت عجیب نظروں سے دیکھتے رہتے ہیں''۔ اسحاق نے اپنی بیوی کی بات سنی تو مسکرا کر بولا: ''نیک بخت! تم نے تو میرے دل کی بات کی ہے۔ تم روزانہ جو رقم جمع کر رہی ہو جب بہت زیادہ ہوگئی تو میں اُسی دن گاؤں چھوڑ کر شہر چلا جاؤں گا۔ جہاں جا کر ہم بہت عالی شان گھر خرید کر رہیں گے۔ ہمارے پاس گاڑی بھی ہوگی۔ جہاں مرضی جائیں گے کوئی شک کی نظر سے نہیں دیکھے گا۔

اسحاق کی بیوی نے اُسے کہا: ''میرے ذہن میں ایک زبردست ترکیب آئی ہے۔ جس

پر عمل کرنے سے ہمارے پاس ڈھیر ساری دولت ایک دم آجائے گی۔اسحاق نے ترکیب پوچھی تو اُس کی بیوی بولی: ''اگر تم میری ترکیب پر عمل کرلو تو ہم سب سے زیادہ مال دار بن جائیں گے۔ ہمارے پاس ڈھیروں دولت کے ساتھ کئی نوکر ہوں گے۔ہم ساری عمر مزے سے گزاریں گے''۔اسحاق نے جب اپنی بیوی کی خوشی دیکھی تو بولا: ''اے نیک بخت! مجھے کچھ بتائے گی بھی یا خود ہی خوش ہوتی رہو گی؟''اسحاق کی بیوی نے قریب آکر اُس کے کان میں کہا: ''تم خود دیکھ لو ہماری بطخ روزانہ سونے کا انڈہ دیتی ہے۔اس کا مطلب ہے کہ اس کے پیٹ میں ڈھیر سارا سونا موجود ہے۔اگر اس کے پیٹ میں سونا نہ ہوتا تو یہ دوسری بطخوں کی طرح عام انڈہ دیتی۔اگر ہم اس کا پیٹ چاک کر کے وہ سارا سونا نکال لیں تو ہم راتوں رات امیر ہو جائیں گے اور شہر جا کر آرام کی زندگی گزاریں گے''۔اسحاق اپنی بیوی کی بات سُن کر خوشی سے اُچھل پڑا اور بولا: ''تم نے ساری زندگی میں یہ سب سے اچھی بات کہی ہے۔تم کو میں بے وقوف سمجھتا تھا مگر نیک بخت تم تو بہت عقل مند ہو۔ اب جلدی سے باورچی خانے میں جاؤ اور تیز دھار چُھری لے کر آجاؤ۔میں

اسی وقت بطخ کا پیٹ چیر کر سارا سونا نکال لیتا ہوں۔" اسحاق کی بیوی دوڑتی ہوئے باورچی خانے گئی اور سب سے تیز دھار والی چُھری لے آئی۔ اسحاق نے جلدی سے بطخ کو پکڑا اور فوراً اس کی گردن پر چُھری چلا دی۔ جس سے خون کی تیز دھار نکلی۔ بطخ کا پیٹ چیرا تو اس میں سے سوائے آنتوں کے کچھ نہ نکلا۔ بطخ بھی مر چکی تھی۔ اسحاق اور اُس کی بیوی نے جب بطخ کو مرے ہوئے دیکھا تو زار و قطار رونے لگے۔ اسحاق کی بیوی اپنا سر پیٹنے لگی کہ میں نے یہ مشورہ دیا تھا۔ ہمیں کچھ نہ ملا اور بطخ مر گئی۔ اسحاق بھی اپنی بیوی کی بیوقوفی پر خوب رو رہا تھا کہ اُس نے لالچ میں آ کر روزانہ سونے کا انڈہ دینے والی بطخ کو اپنے ہاتھوں سے مار دیا تھا۔ اب سوائے پچھتانے کے کچھ حاصل نہیں ہو سکتا تھا۔

اچھے بچو! زیادہ لالچ کرنے والا ہمیشہ نقصان اُٹھاتا ہے۔

✪ ✪ ✪